اہل سنت وجماعت کے چند اہم اعتقادی مسائل کے اثبات پر ایک مدلل تحریر

بنام

گمراہ کن نظریات کی تردید

دلائل کی روشنی میں

مفتی محمد صادق مصباحی

ناشر
الحجاز فاؤنڈیشن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اہل سنت و جماعت کے چار[4] اجماعی عقائد و مسائل کے اثبات اور
تفضیلیت کے رد پر ایک سنجیدہ اور مدلل تحریر بنام

گمراہ کن نظریات کی تردید

دلائل کی روشنی میں!

مفتی محمد صادق مصباحی

مدرسہ عربیہ سعید العلوم، یکماڈپو، لچھمی پور
ضلع مہراج گنج، یوپی، انڈیا

ناشر

الحجاز فاؤنڈیشن، پیرامیونٹ کالونی، ٹولی چوکی، حیدرآباد، دکن

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب : گم راہ کن نظریات کی تردید، دلائل کی روشنی میں !

مؤلف : مفتی محمد صادق مصباحی

دارالعلوم سعید العلوم، لچھمی پور، مہراج گنج

رابطہ نمبر : 9559058020

رسالہ پر تبصرہ : مولانا عبدالقدوس مصباحی

: دارالعلوم فیض رضا، شاہین نگر، حیدرآباد، دکن

حالات مؤلف : مولانا عبدالقدوس مصباحی

کمپوزنگ : مولانا نور محمد مصباحی، سعید العلوم

صفحات : ۱۲۸

تعداد : ۱۱۰۰

اشاعت : ربیع الاول ۱۴۴۱ھ /نومبر ۲۰۱۹ء

ناشر : الحجاز فاؤنڈیشن، پیرامیونٹ کالونی، ٹولی چوکی، حیدرآباد، دکن

ملنے کے پتے:

دارالعلوم فیض رضا، شاہین نگر، حیدرآباد، دکن۔

عرشی کتاب گھر، حیدرآباد ، دکن۔

مکتبہ حافظ ملت، مبارک پور ، اعظم گڑھ۔

مکتبہ باغ فردوس، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

انصار بک ڈپو، سول لائن ، مہراج گنج۔

فہرست مضامین

رسالہ پر تبصرہ

از: عبد القدوس مصباحی
دارالعلوم فیض رضا، شاہین نگر، حیدرآباد

حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس وقت میری نظر کے سامنے ”گم راہ کن نظریات کی تردید، دلائل کی روشنی میں“ نامی رسالہ ہے۔ اس کے مؤلف ہیں جماعت اہل سنت کے ایک معتمد وممتاز عالم وفاضل، استاذ گرامی مفتی محمد صادق مصباحی دام ظلہ العالی۔

اس رسالہ میں آپ نے اہل سنت وجماعت کے چار اجماعی عقائد ومسائل کے اثبات پر دلائل کی روشنی میں سیر حاصل بحث فرمائی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ فرقۂ تفضیلیہ کے نظریات، گم راہ کن اور دعویٰ بلا دلیل ہیں۔

اس میں آپ نے کل چار ابواب قائم کیے ہیں۔ باب اول میں اس نظریے کی تردید فرمائی کہ:

”تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہیں“۔

اس کے تحت آپ نے ۵/ قرآنی آیات اور ان کی متعلقہ تفاسیر پیش کی ہے۔ پھر نتیجہ یہ پیش کیا ہے کہ:

”قرآن حکیم کی آیات اور ان کے تحت مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہیں۔ فللّٰہ الحمد!

پھر آپ نے ”احادیث کریمہ“ کی سرخی قائم فرمائی ہے۔ اس کے تحت لکھتے ہیں کہ:

”حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے افضلِ امت ہونے پر احادیث و آثار اس کثرت سے وارد ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اور ان سے اجماع کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے چند احادیث صحیحہ، صریحہ ذکر کی جاتی ہیں“۔

پھر ۲۱؍ احادیث شریفہ پیش کرنے کے بعد یوں رقم طراز ہیں:
"بحمدہ تعالیٰ ان احادیث کثیرہ، صحیحہ، مستفیضہ سے تواتر کے ساتھ یہ ثابت ہوا کہ:
"تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہیں"۔
اور اس گم راہ کن نظریہ کی تردید ہو گئی کہ:
"تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- تھے"۔
پھر ذیلی سرخی "اجماع کا بیان" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:
"جمہور اہل سنت کے نزدیک خلفاے ثلاثہ [حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان -رضی اللہ تعالیٰ عنہم-] کا، سیدنا علی -کرم اللہ وجہہ الکریم- بلکہ تمام صحابہ سے افضل ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ اصحاب رسول -ﷺ- جو امت کے مقتدا وامین ہیں، اور جن کی ذوات قدسی صفات پر تمام امت کو ناز ہے، بالاتفاق انھیں کو افضل امت جانتے اور ان کے برابر کسی کو نہیں مانتے۔ چند شواہد ملاحظہ ہوں:
اس کے بعد مستند ۹؍ شواہد پیش کرنے کے بعد خلاصہ یوں پیش فرمایا:
"یہاں سے ظاہر ہے کہ زمانہ صحابہ و تابعین میں تفضیل شیخین پر اجماع تھا، اور اس کے خلاف سے ان کے کان نا آشنا تھے۔ اسی طرح امام شافعی وغیرہ اکابر ائمہ اس بارے میں اجماع صحابہ و تابعین نقل کرتے ہیں۔ ان اساطین امت کے معاملات سے بہ حسن وخوبی عیاں ہے کہ شیخین اور حضرت عثمان کو مقدم کرنا باجماع صحابہ و تابعین مشہور و متواتر ہے"۔
پھر اس اجماع پر اصول وعقائد کی معتبر کتابوں سے ۱۱؍ نقول درج فرمانے کے بعد ان کا نتیجہ کچھ یوں بیان فرمایا ہے:
یہ اکابر کے حوالے سے کچھ نقول درج کیے گئے، جن کا حاصل یہ ہے کہ:
"تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر کی افضلیت ایک اجماعی امر ہے۔ پھر ان کے بعد مرتبے میں علی الترتیب حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ہیں؛ اسی لیے علمانے کہا ہے کہ جو اس اجماع سے انکار کرے؛ قریب ہے کہ اس کے ایمان میں خطرہ ہو"۔
پھر ایک سرخی قائم فرمائی ہے: "تفضیل شیخین کا انکار کرنے والے کا حکم"۔ اس کے

ضمن میں اکابر امت کی مستند تصنیفات سے ٦ دلیلوں کا خلاصہ یوں بیان فرمایا ہے:

''ان عبارات سے یہ امر خوب واضح اور منکشف ہو گیا کہ عامۂ مؤمنین اور سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا مذہب یہی ہے کہ تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت ایک اجماعی امر ہے۔ اور جو شخص حضرت علی کو شیخین سے افضل قرار دے؛ وہ بدعتی ہے''۔

یہاں باب اول اپنی انتہا کو پہنچا ہے۔

باب دوم میں اس گم راہ کن نظریہ کی تردید فرمائی کہ:

''خلافت کے اصل مستحق حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- تھے، لیکن جمعیت حضرت ابو بکر کے ساتھ تھی؛ اس لیے حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نے خاموشی اختیار کی۔''

اصل مسئلہ پر تفصیلی کلام کرنے سے پہلے ''مسئلہ امامت و خلافت'' کی ذیلی سرخی قائم کی، جس میں تاریخی حقائق کی روشنی میں مسئلہ خلافت اور اس کے نتیجے میں جو گم راہ فرقے وجود میں آئے، ان کی اور ان کے عقائد و نظریات کی وضاحت کی ہے، اور جانشینی میں اختلاف کی اصل وجہ کیا ہے؟ اس کی بھی جانب اشارہ کیا ہے اور تفصیل کے لیے مطولات کی جانب رجوع کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے۔

پھر اِس نظریہ کی حقیقت کا بہ خوبی جائزہ لیا ہے، اور اس میں درج ذیل تین ۳ امور کو ذکر کیا ہے:

[۱] خلافت کے اصل مستحق حضرت علی- رضی اللہ تعالیٰ عنہ -تھے۔

[۲] لیکن جمعیت حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے ساتھ تھی۔

[۳] جمعیت نے حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کا ساتھ نہ دیا؛ اس لیے انھوں نے خاموشی اختیار کر لی۔

اس کے بعد تاریخی حقائق کی روشنی میں تینوں امور کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ چناں چہ پہلے امر کی نفی میں ۷ تاریخی حقائق کو پیش کیا، اور یہ ثابت کیا ہے کہ:

''حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- افضل امت اور مستحق خلافت ہونے

کے باوجود خلافت کے بالکل خواہش مند نہ تھے، مگر ملت اسلامیہ کے اتحاد واتفاق کی خاطر آپ نے بہ اجماع صحابہ اس عظیم منصب کو قبول فرمایا، جس میں خود سیدنا مولاے کائنات - کرم اللہ وجہہ الکریم - بھی شامل ہیں"۔

دوسرے امر [جمعیت حضرت ابو بکر صدیق - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کے ساتھ تھی] کے متعلق فرمایا کہ "یہ امر حقیقت سے بہت دور ہے؛ کیوں کہ شواہد و قرائن اور دلائل و براہین اس کی نفی کرتے نظر آتے ہیں۔" اس سلسلے میں دو شواہد بھی پیش کیے ہیں۔

تیسرے اور آخری امر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

اور مولائے کائنات پر یہ الزام تراشی کہ:

"جماعت صحابہ نے آپ کا ساتھ نہ دیا؛ اس لیے آپ نے خاموشی اختیار کی، یا آپ نے بہ حالت مجبوری حضرت ابو بکر کی بیعت کی"۔

"یہ بات اس مرد مومن کے لیے ہر گز ہر گز لائق تسلیم نہیں جو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی جرأت و شجاعت اور آئینۂ جواں مردی کی حقیقت کو سمجھتا ہے، اور صدق دل سے اسے تسلیم بھی کرتا ہے"۔

اس سلسلے میں "الکامل فی التاریخ" اور "تاریخ الامم والملوک" سے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے، جس سے اس الزام تراشی اور بہتان طرازی کی قلعی کھل جاتی ہے۔

پھر ایک سرخی قائم کی ہے:

"حضرت ابو بکر صدیق - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کی خلافت وامامت پر عقلی دلائل"۔

اس کے تحت آپ لکھتے ہیں کہ:

"اب یہاں حضرت صدیق اکبر کی خلافت وامامت پر کچھ عقلی دلیلیں پیش کرتے ہیں، جن کی بنیاد کسی اصل شرع یا بداہت عقل پر ہو گی، جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ یقیناً نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - کے بعد حضرت ابو بکر ہی خلافت کے اصل مستحق تھے"۔

پھر ۱۱ عقلی دلیلیں پیش فرمائی۔ جن سے یقیناً یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کریم آقا - صلی اللہ علیہ وسلم - کے بعد خلافت کے اصل حق دار حضرت ابو بکر صدیق - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - تھے۔

پھر حضرت علی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کی خلافت کے بارے میں بعض کوتاہ نظروں نے

حدیث پاک کی روشنی میں جو شوشہ چھوڑا ہے، متعدد وجوہات سے اس کا جواب دیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا یہ استدلال بے معنیٰ ہے، اہل حق کے نزدیک قابل اعتنا نہیں۔ نیز حدیث پاک کا اصل مورد بھی بیان کیا ہے۔ اور اخیر میں حضرت علی -رضی اللہ عنہ- کا فیصلہ کن بیان بھی درج کر دیا ہے جس سے استحقاق خلافت کا مسئلہ بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے۔

تیسرے باب کی ابتدا اس نظریہ کی تردید سے فرمائی ہے کہ:

"نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وصال پر صحابہ کرام کو جانشینی کی فکر دامن گیر تھی، اور حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کی کسی کو کچھ پروا، نہ تھی؛ اس لیے تدفین میں تاخیر ہوئی"۔

اس کے ضمن میں تمہیداً پہلے صحابہ کرام -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- کی ارفع و اعلیٰ شان کو بڑی وضاحت کے ساتھ اجاگر کیا ہے، نیز صحابہ کرام کے متعلق اہل سنت و جماعت کا عقیدہ کیا ہے، اسے بھی بیان فرمایا ہے۔

اس کے بعد ایک سرخی قائم فرمائی کہ "امام و خلیفہ کا نصب کرنا واجب ہے"۔ اس کے اثبات میں ٦ آیات کریمہ اور دیگر متعدد شواہد ذکر کرنے کے بعد نتیجہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"دور صحابہ اور مابعد کے حالات نے یہ واضح کر دیا کہ پوری امت مسلمہ کے نزدیک خلافت کی اہمیت مسلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک زمانۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد امام و خلیفہ کا نصب کرنا واجب ہے"۔

پھر اس وجوب کی متعدد وجوہات ذکر کی ہے۔

پھر صحابہ کرام پر لاپروائی اور الزام تراشی کی تحقیق بیان کی ہے، اور لکھا ہے کہ:

"جس وقت رحمت عالم -صلی اللہ علیہ وسلم- کا وصال ہوا، شمع رسالت کے پروانوں کے لیے وہ گھڑی قیامت سے کم نہ تھی، اس تصور سے ہی وہ کانپ جاتے کہ جس ذات کریمہ کو دیکھے بغیر انھیں قرار نہیں آتا تھا، وہ ہستی اب ان کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو جائے گی۔ وفات حسرت آیات کی خبر دور دور تک پہنچ گئی، ہر شخص حیران و پریشان تھا، رنج و غم سے نڈھال تھا، سیدہ فاطمہ زہرا کا تو یہ حال ہوا کہ حضور کے وصال پُرملال کے بعد کسی نے انھیں ہنستے ہوئے نہیں دیکھا"۔

اور بہ حوالہ ''مدارج النبوۃ'' اس سانحہ جاں کاہ کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے۔ پھر نتیجہ یوں اخذ کیا ہے:

''کیا ان حالات کے پیش نظر اس الزام تراشی اور افواہ بازی کی کوئی حقیقت رہ جاتی ہے کہ صحابہ کو محض جانشینی کی فکر تھی، حضور کی کسی کو پروا، نہ تھی؟ جہاں فاروق و عثمان، علی و فاطمہ جیسے جلیل القدر صحابہ کے ہوش و حواس گم تھے، فرط رنج و غم میں صحابہ یہ دعا کر رہے تھے کہ ہماری بینائی سلب کر لی جائے۔ خواص کا جب یہ حال تھا تو عامۂ صحابہ کا کیا حال رہا ہو گا۔ ان پر بے پروائی کا الزام اور خلافت کی لالچ کا بہتان سخت تعجب خیز ہے''۔

پھر اس باب کے آخری حصے میں ۲ شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔

چوتھے اور آخری **باب** میں اس نظریہ کی تردید فرمائی ہے کہ:

''جو ابو طالب کو ایمان والا نہ جانے؛ وہ یزیدی ہے''۔

اولاً ایمان کی حقیقت بیان کی اور یہ واضح کیا کہ:

''صرف علم و معرفت ایمان نہیں، علم و معرفت الگ چیز ہے، اور ایمان و اذعان چیزے دیگر''۔

پھر جملہ مفسرین و محدثین اور علماے سلف و خلف کا اس بات پر اجماع و اتفاق نقل کیا کہ: ابو طالب کی موت کفر پر ہوئی۔

نیز بہ کثرت قرآنی آیات، احادیث نبویہ صریحہ، صحیحہ اور اقوال ائمہ سے ابو طالب کا صاحب ایمان نہ ہونا، اور خاتمے کے وقت ایمان لانے سے انکار کرنا اور انجام کار اصحاب نار ہونا ثابت کیا ہے۔

پھر ''آیات کریمہ'' کی سرخی قائم فرمائی، اور ۳ آیات کریمہ اور ان کی متعلقہ تفاسیر پیش کرنے کے بعد خلاصہ یوں پیش کیا ہے:

''ان آیات کریمہ اور ان کے تحت مفسرین کے بیانات سے بہ خوبی واضح ہو گیا کہ اگرچہ تمام عمر ابو طالب نے نبی کریم -ﷺ- کی حمایت و کفالت اور نصرت و محبت کی، مگر آپ پر ایمان نہ لائے''۔

پھر ''احادیث کریمہ'' کی ذیلی سرخی کے تحت کل ۱۰ احادیث شریفہ ذکر کرنے

کے بعد نتیجہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ابو طالب کی حالت کفر میں موت کے بارے میں کُل دس احادیث صحیحہ کا ہم نے انتخاب کیا۔ جن سے یہ امر خوب روشن ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ام سلمہ، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام شافعی - رضی اللہ عنہم اجمعین - کے نزدیک بھی ابو طالب، صاحب ایمان نہ تھے"۔

تو کیا اب بھی کوئی سنی مسلمان یہ کہنے کی جرأت و جسارت کر سکتا ہے کہ:

"جو ابو طالب کو ایمان والا نہ جانے؛ وہ یزیدی ہے؟"

اس کے بعد علما و ائمہ کے کل ۲۰/ اقوال ذکر کرنے کے بعد ان کا خلاصہ یوں بیان سپرد قرطاس کیا ہے کہ:

"علما و ائمہ کی ان تصریحات سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ مذہب حق و صواب یہی ہے کہ رسول اللہ -ﷺ- کی کفالت و نصرت و حمایت کے باوجود ابو طالب مشرف بہ اسلام نہ ہوئے، اور خاتمہ، کفر پر ہوا"۔

اور اخیر میں ان شبہات کا خوب جائزہ لیا ہے جن کی بنا پر کچھ لوگوں نے ابو طالب کو ایمان والا قرار دیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ: "اعتبار خاتمے کا ہے۔ اور جب ابو طالب کا کفر پر مر جانا، قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو کفالت و نصرت سے دلیل لانا، درجہ اعتبار سے ساقط اور کالعدم ہے"۔

الحمد للہ! یہاں کتاب مذکور پر تبصرہ مکمل ہوا۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عاجزانہ التجا ہے کہ باری تعالیٰ استاذ گرامی - دام ظلہ العالی - کی اس قلمی کاوش کو قبول فرمائے، اس کا نفع عام و تام فرمائے، اسے آپ، آپ کے اساتذہ، اور آپ کے والدین کی نجات کا ذریعہ بنائے، مزید تحریری و تقریری خدمات کی توفیق عطا فرمائے، آپ کو دارین کی سربلندی و سرخ روئی عطا فرمائے، علم و عمل اور فضل و شرف میں مزید برکتیں نازل فرمائے، عمر خضری عطا فرمائے، اور آپ کا سایہ ہم پر تا دیر سلامت رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

استاذِ گرامی قبلہ نے جب اس رسالے کی تالیف مکمل کر لی تو اپنے چند احباب کے ساتھ مجھ پر بھی کرم نوازی کی اور بذریعہ واٹس ایپ میرے پاس بھی ارسال کیا۔
رسالہ چوں کہ اپنے دامن میں دلائل وبراہین کا ایک جہان سمیٹے ہوئے ہے اور حیدر آباد دکن میں [جہاں میری تدریسی مصروفیات ہیں] اس کی خوب ضرورت ہے؛ اس لیے میں نے اپنے محسن وکرم فرما دوست، حضرت مولانا محمد شاہ نواز مصباحی، ازہری، حیدر آباد، دکن سے رابطہ کیا اور رسالے کا تعارف کرانے کے ساتھ ساتھ آپ کو بھیج بھی دیا، آپ نے ابتدائی چند صفحات کا مطالعہ کیا اور اس کی افادیت کے پیش نظر، اپنے چند احباب کے ساتھ طباعت کا بار سنبھالنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس طرح رسالہ اشاعت کے مرحلے سے گزر کر قارئین کے ہاتھوں کی زینت بنا۔
احسان فراموشی کا ایک نیا باب وجود میں آئے گا، اگر ان مخلصین کی کرم فرمائیوں کا تذکرہ نہ ہو، جنھوں نے دامے، درمے، قدمے، سخنے اس کی اشاعت میں حصہ لیا:
[۱] ہدیہ تبریک پیش ہیں، استاذ مکرم حضرت مولانا نور محمد مصباحی دام ظلہ العالی، استاذ: دار العلوم سعید العلوم، لچھمی پور، مہراج گنج، یو پی کی بارگاہ میں، جنھوں نے خالصتاً لِوجہِ اللہ اس کی کمپوزنگ کی۔
[۲] تشکر وامتنان کے گل دستے حاضر ہیں، ان تمام احباب کے حضور، جنھوں نے اس کی طباعت میں حصہ لیا۔ بالخصوص مولانا محمد شاہ نواز مصباحی، ازہری، ان کے رُفقا اور حافظ و قاری محمد عارف صاحب مہراج گنج، یو پی کے حضور، جن کے خصوصی تعاون سے یہ رسالہ منظرِ عام پر آیا۔
باری تعالی سب کو دارین کی سربلندی و سرخروئی عطا فرمائے اور نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق عطا کرے۔ آمین یارب العالمین۔

عبد القدوس مصباحی
دار العلوم فیض رضا، شاہین نگر، حیدر آباد

۲۵ر صفر المظفر ۱۴۴۱ھ
۲۵ر اکتوبر ۲۰۱۹ء

حرفِ آغاز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً وَّ مُسَلِّما

قال الله عز وجل: وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾ ۔[۱]

وَقَالَ رَسُولُ اللهِ – صلى الله تعالى عليه وسلم– : ((أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا ؛ فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلاَفًا كَثِيرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ ، تَمَسَّكُوا بِهَا ، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ)).[۲]

....

صحابۂ کرام، تابعینِ عظام، ائمۂ مجتہدین اور علماے سلف و خلف کا اس امر پر اجماع واتفاق ہے کہ:

اللہ عزوجل نے اپنے محبوب، احمد **مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ** -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کو تمام مخلوقات میں سب سے **افضل و اعلیٰ** بنایا، پھر **انبیاے سابقین**، پھر **ملائکۂ مقربین** کو ساری مخلوقات سے زیادہ فضیلت عطا فرمائی۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کے **صحابۂ کرام** کو سب سے زیادہ عزت و عظمت سے نوازا۔ اور **تمام صحابہ میں سب سے افضل، خلیفۂ اول**

---

[۱] النساء، الآیۃ: ۱۱۵۔

[۲] رواہ أبو داود عن العرباض بن ساریۃ، باب لزوم السنۃ ، رقم : ۴۶۰۹۔

سیدنا ابو بکر صدیق-رضی اللہ تعالیٰ عنہ- **ہیں**۔ پھر دیگر خلفاے ثلاثہ (حضرت سیدنا عمر فاروق، حضرت سیدنا عثمان غنی، حضرت سیدنا مولیٰ علی، -رضی اللہ تعالیٰ عنہم-، اُن کی افضلیت خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔) پھر بقیہ عشرۂ مبشرہ، پھر بقیہ صحابۂ کرام، اصحاب فضیلت ہیں۔- رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین-

علماے اہل سنت و جماعت کے نزدیک یہ امر بھی مسلّم ہے کہ:

نبی کریم -ﷺ- کے بعد آپ کی خلافت و نیابت کے اصل مستحق بھی حضرت صدیق اکبر-رضی اللہ تعالیٰ عنہ- **ہیں**۔ پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر علی مرتضیٰ۔ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم-

امت مسلمہ کا اس پر بھی اجماع ہے کہ:

نصب امام، اہم واجبات سے ہے کہ بے شمار دینی و دنیوی امور و مصالح اس سے متعلق، بلکہ اسی پر منحصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام نے نبی پاک -ﷺ- کے وصال کے بعد اِس دینی امر کو فوقیت دیتے ہوئے ترجیحی بنیاد پر سب سے پہلے اسی مسئلے کو حل کیا اور کچھ اختلافات کے بعد متفقہ طور پر حضرت صدیق اکبر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کو خلیفہ منتخب فرمالیا۔

اسی طرح باتفاق صحابہ و تابعین و ائمۂ مجتہدین و علماے معتمدین، ابو طالب کا صاحبِ ایمان نہ ہونا بھی مسلّم ہے۔

مگر صد افسوس کہ آج کچھ افراد نے، صدیوں سے قائم ان اجماعی و اتفاقی امور کی مخالفت پر کمر باندھ کر شیعوں اور رافضیوں کے اتباع میں اِن **گم راہ کُن نظریات کی اشاعت** شروع کر دی ہے کہ:

(۱) تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہیں۔

(۲) خلافت کے اصل مستحق حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- تھے، لیکن جمعیت، حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے ساتھ تھی، اس لیے حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ -نے خاموشی اختیار کی۔

(۳) نبی پاک -ﷺ- کے وصال پر صحابۂ کرام کو جانشینی کی فکر دامن گیر تھی اور حضور -ﷺ- کی کسی کو کچھ پروانہ تھی۔ اس لیے تدفین میں تاخیر ہوئی۔

(۴) جو ابوطالب کو ایمان والا نہ جانے، وہ یزیدی ہے۔

اگر اِن نظریات کے قائلین کا تعلق فرقۂ روافض سے ہوتا تو ہمیں ان کی تردید کی چنداں حاجت نہ ہوتی کہ شیعوں، رافضیوں کا دین دھرم علاحدہ اور ہمارا دین و مذہب علاحدہ۔ **مگر حیرت تو اس پر ہے کہ** اِن نظریات کا پروپیگنڈہ بعض ایسے افراد واشخاص کی جانب سے کیا جارہا ہے، جن کی ارادت و محبت کا قلادہ ہزاروں سنی مسلمانوں کی گردنوں میں ہے۔ اور یہ طبقہ خود کو اہل سنت بھی کہتا ہے، اور پیروی سلف کا مدعی بھی ہے۔

اس لیے اگر بروقت اِن فتنوں کا سدِباب نہ کیا گیا اور اِس سیلِ بلا پر بند نہ باندھا گیا تو بہت ممکن ہے کہ بھولے بھالے سنی عوام اِن گم راہ کُن نظریات کی زَد میں آکر صدیوں سے جاری متوارث و متفقہ عقائد و نظریات کے سلسلے میں مشکوک بلکہ گم راہ ہوجائیں۔

اگرچہ اِن عناوین پر بہت کچھ کہا اور لکھا جاچکا، لیکن اب تک علماے اہل سنت کے مقابل، روافض تھے، مگر اب چوں کہ اہل سنت کے بعض حلقوں سے اِس طرح کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوئی ہیں، لہذا اِن امور کی طرف متوجہ ہونا ناگزیر ہوگیا ہے۔

اس لیے خالصاً لوجه الله الکریم اس امید کے ساتھ چند سطریں تحریر کی جاتی ہیں کہ اللہ رب العزت اِن کے ذریعہ ہمارے اُن دینی بھائیوں کو ہدایت عطا فرمائے جو اِن مسائل میں سرگرداں و حیران ہیں۔ والله الموفق.

محمد صادق مصباحی

اس رسالے میں:

[۱] مسئلہ تفضیل [۲] خلافت کا اصل مستحق کون؟ [۳] نبی ﷺ کی تدفین میں تاخیر کی اصل وجہ، اور [۴] قضیہ ابوطالب پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، جس کے لیے اصول و عقائد، تفاسیر و احادیث اور تاریخ و سیرت کی معتبر کتابوں کو ماخذ بنایا گیا ہے۔ الصواعق المحرقہ، الحبل الوثیق، ازالۃ الخفا، سیرۃ النبی کے علاوہ متعدّد رسائل رضویہ سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اور مذہب اہل سنت و جمہور امت کے موقف پر بکثرت دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

مولی تعالی اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت بخشے، اسے عامہ مسلمین کی اصلاح کا ذریعہ، اور میرے اور میرے اساتذہ و والدین کی بخشش کا سامان بنائے۔ آمین، یا رب العالمین، بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

اب ہم مذکورہ بالا نظریات کا ترتیب وار جائزہ لیتے ہیں اور قرآن و حدیث اور علما و ائمۂ سلف و خلف کے میزان پر انھیں تولتے ہیں کہ ان نظریات کی حقیقت واصلیت کیا ہے۔ مذکورہ بالا چاروں نظریات کے لیے کل **چار ابواب** منعقد کیے جاتے ہیں۔

باب اول

اِس گم راہ کُن نظریہ کی تردید کہ:
تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت علی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - ہیں

اہل سنت وجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ:

الصحابة كلهم عدول ، لا نتكلم فيهم إلا بخير.

تمام صحابہ عادل ہیں، ہم ان کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہیں کہتے۔

رسول اللہ - ﷺ - کے صحابہ پر زبانِ طعن دراز کرنا باعثِ ہلاکت وضلالت ہے۔ آقاے دو جہاں - ﷺ - کا ارشاد ہے:

إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا.

جب میرے صحابہ کا ذکر آجائے تو زبان روک لو۔

[المعجم الکبیر، ج: ۲، ص: ۱۱۶، رقم: ۱۴۱۱، مکتبہ شاملہ]

باب اول

تمام صحابہ میں سب سے افضل کون؟

اصول وعقائد اور تاریخ و سیرت کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد " تمام صحابہ میں سب سے افضل کون؟" کے سلسلے میں بظاہر درج ذیل ۵ مذاہب نظر آتے ہیں :

(۱) اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ تمام صحابہؓ کرام میں سب سے **افضل**، حضرت سیدنا صدیق اکبر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہیں۔

(۲) روافض اور تفضیلیہ کا مذہب یہ ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے **افضل** حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہیں۔ [اِن میں جو غالی ہیں، وہ بہت سے صحابہ کی تکفیر بھی کرتے ہیں۔]

(۳) خارجیوں کا مذہب یہ ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے **افضل** شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- ہیں۔

البتہ اس کے ساتھ وہ حضرت عثمان غنی، حضرت مولیٰ علی، حضرت امیر معاویہ، حضرت عمرو بن عاص، اور بہت سے صحابہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین- کی تکفیر بھی کرتے ہیں۔

(۴) خطابیہ کا مذہب یہ ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے **افضل**، حضرت عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہیں۔

(۵) راوندیہ کا مذہب -راوندیہ، روافض کا ایک فرقہ- یہ ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت عباس ہیں، پھر حضرت عبداللہ بن عباس -رضی اللہ تعالیٰ عنہما-، پھر ان کی اولاد، محمد، علی، سفاح، ابو جعفر منصور وغیرہ۔

گردشِ زمانہ کے ساتھ ساتھ خارجیوں، راوندیوں اور خطابیہ کا وجود ہمیشہ کے لیے مٹ گیا، نیز ان کے مذاہب کا بطلان بھی اظہر من الشمس ہے؛ اس لیے ان کی تردید کی حاجت نہیں۔ البتہ روافض اور تفضیلیہ فرقے اب بھی موجود ہیں۔ اور ہر دور میں اِن کی تردید میں بھی بے شمار کُتب و رسائل تحریر کیے گئے۔ چناں چہ ’’ الحبل الوثیق فی نصرۃ الصدیق، الصواعق المحرقہ، زاد الأحباب فی مناقب الاصحاب، تحفہ اثنا عشریہ، رد الرفضۃ، مطلع القمرین فی إبانۃ سبقۃ العمرین اور إزالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ‘‘ وغیرہ کتب و رسائل میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اہل تحقیق کو اِن کی جانب مراجعت کرنی چاہیے۔

افضلیت پر گفتگو سے قبل درج ذیل مفید باتیں ذہن نشین رکھنا ضروری ہے:

(۱) تفضیلِ شیخین امت کا قطعی، اجماعی مسئلہ ہے، اس کا مخالف بدعتی ہے۔ البتہ اس افضلیت سے مراد افضلیت علی الاطلاق ہے، افضلیت من کلِّ الوجوہ نہیں؛ کیوں کہ صحابۂ کرام میں سے بعض صحابہ کو سرکار اقدس - ﷺ - نے ایسے خاص فضائل سے مشرف فرمایا جو، ان کے علاوہ میں نہیں پائے جاتے تھے۔ تمام صحابہ کرام اصحاب فضیلت ہیں، ان میں سے کسی کو دوسرے پر من کل الوجوہ افضل نہیں کہہ سکتے؛ ورنہ خصائص، خصائص نہ رہ جائیں گے۔

(۲) کسی بھی صحابی پر زبانِ طعن دراز کرنا باعث ہلاکت و ضلالت ہے۔ اور اہل سنت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ:

”الصحابة كلهم عدول ، لا نتكلم فيهم إلا بخير“.

’’ تمام صحابہ عادل ہیں، ہم ان کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہیں کہتے ‘‘۔

آقائے دوعالم - ﷺ - کا ارشاد ہے:

”إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا“.[۱]

”جب میرے صحابہ کا ذکر آجائے تو زبان روک لو“۔

---

[۱] المعجم الکبیر، ج: ۲، ص: ۱۱۶، رقم: ۱۴۱۱، مکتبہ شاملہ

اِس لیے جہاں کہیں شیخین یا حضرت عثمان کی، حضرت علی یا دیگر صحابہ -رضی اللہ عنہم- پر فضیلت کا ذکر ہو؛ اس سے ہر گز ہر گز حضرت مولاے کائنات یا کسی صحابی کی تنقیص نہیں سمجھنا چاہیے کہ خود سیدنا علی -کرم اللہ وجہہ الکریم- کے فضائل و مناقب اس کثرت اور شہرت کے ساتھ وارد ہیں کہ بہ قول امام احمد بن حنبل:

"ما جاء لأحد من أصحاب رسول الله -ﷺ- من الفضائل ما جاء لعلي بن أبي طالب -رضي الله عنه-". [۱]

"رسول اللہ -ﷺ- کے صحابہ میں کسی کے لیے اس قدر فضائل وارد نہ ہوئے جس قدر حضرت علی ابن ابی طالب -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے لیے وارد ہوئے"۔

(۳) تفضیلِ شیخین امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ البتہ حضرت عثمان و حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- کے درمیان افضلیت کے بارے میں علما کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے توقف کیا ہے، بعض نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر فضیلت دی ہے اور بعض کے نزدیک حضرت عثمان حضرت علی سے افضل ہیں۔ -رضی اللہ تعالیٰ عنہما-

اس تنبیہ کے بعد اب اس امر پر غور کیا جائے کہ صحابۂ کرام میں سب سے افضل کون سی شخصیت ہے؟

اس سلسلے میں اولاً آیات قرآنیہ، بعدہٗ احادیث نبویہ پیش کی جائیں گی، پھر صحابہ و تابعین کے اجماع کا ذکر ہوگا، جس سے یہ امر منکشف ہو جائے گا کہ:

تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہیں، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی۔ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم-

★ ★ ★ ★ ★ ★

[۱] المستدرك على الصحيحين للحاكم، ج :۳ ،ص: ۱۱٦، رقم: ٤٥٧٢، كتاب معرفة الصحابة، مناقب على بن ابى طالب - رضى الله تعالىٰ عنه- مكتبه شامله.

آیات قرآنیہ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں میں سب سے معزز و مکرم وہ بندہ ہے جو اتقیٰ ہو۔ یعنی مدارِ افضلیت، زیادتِ تقویٰ پر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ''۔ [۱]

''بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ ہے، جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے''۔

اور قرآن کریم میں حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے بارے میں ''اتقیٰ'' کا لفظ وارد ہے:

(۱) ''وَ سَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی ۝۱۷ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ۝۱۸ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰٓی ۝۱۹ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی ۝۲۰ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰی ۝۲۱'' [۲]

''اور بہت جلد اس سے دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیز گار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو۔ اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے، جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہو گا''۔

نتیجہ یہ ہوا کہ بہ نصِ قرآن، حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- بقیہ امت سے افضل ہیں۔

مفسرین قرآن نے '' اتقیٰ'' سے حضرت ابو بکر کی ہی ذات مراد لی ہے۔ چناں چہ ابن ابی حاتم اور طبرانی کا بیان ہے:

''إن أبا بكر الصديق أعتق سبعة كلهم يعذب في الله...وفيه نزلت: وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ... اه مختصرا''. [۳]

---

[۱] الحجرات، الآیۃ: ۱۳۔

[۲] اللیل، الآیۃ: ۱۷ تا ۲۱۔

[۳] تفسیر ابن ابی حاتم، اللیل: ۹۲، ج: ۱۰، ص: ۳۴۴۱، مکتبہ شاملہ۔

یعنی حضرت ابو بکر نے ایسے سات لوگوں کو آزاد کرایا جنھیں صرف اس بنا پر عذاب دیا جارہا تھا کہ وہ توحید الٰہی کا اقرار کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ’’وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى‘‘ نازل فرمائی۔

بزار نے حضرت زبیر بن عوام سے، ابن جریر، آجری، اور ابن ابی حاتم نے عروہ سے اور حاکم نے ابن اسحق سے روایت کی ہے، کہ یہ آیت حضرت ابو بکر کے بارے میں نازل ہوئی۔ مسند بزار میں ہے:

’’نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ : وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿٢١﴾ فِي أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ -رَضِيَ اللهُ تعالىٰ عَنْهُ‘‘.[۱]

امام فخرالدین رازی کا قول ہے:

أجمع المفسرون منا على أن المراد منه أبو بكررضي الله تعالىٰ عنه.[۲]

مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ ’’اتقیٰ‘‘ سے مراد حضرت ابو بکر-رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہیں۔

اور تفضیل کا صیغہ خصوصیت کا متقاضی ہے، جیسا کہ اہل علم بخوبی جانتے ہیں۔ اس بارے میں امام سیوطی نے بہت عمدہ کلام کیا ہے۔[۳]

(۲) ’’ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا‘‘۔[۴]

(اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا) ’’صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے: غم نہ کھا، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا، اور ان فوجوں سے

---

[۱] مسند البزار، اللیل:۹۲، ج:۶، ص:۱۶۸، رقم:۲۲۰۹، مکتبہ شاملہ۔

[۲] مفاتیح الغیب، اللیل:۹۲، ج:۳۱، ص:۱۸۵، مکتبہ شاملہ ۲[

[۳] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: رسالہ ’’الحبل الوثیق فی نصرۃ الصدیق‘‘ ج:۱، ص:۲، ۳، مکتبہ شاملہ

[۴] التوبۃ، الآیۃ:۴۰

اس کی مدد کی، جو تم نے نہ دیکھی‘‘۔

امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں آیت میں صَاحِب سے مراد حضرت ابو بکر ہیں۔ اور جو شخص آپ کی صحبت کا انکار کرے؛ اجماعی طور پر اس کی تکفیر کی جائے گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ’’فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ‘‘ میں ضمیر حضرت ابو بکر کی طرف راجع ہے۔ کما قال:

’’سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ‘‘ قال: ”على أبي بكر“. [۱]

اور حضرت ابن عباس کی جلالت شان اس بات کے لیے فیصلہ کُن ہے کہ اگر آپ کو اس کے متعلق کوئی نص معلوم نہ ہوتی تو آپ آیت کو باوجود ظاہری طور پر مخالف ہونے کے، حضرت ابو بکر پر محمول نہ کرتے۔

(۳) ’’وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ‘‘۔ [۲]

’’اور کاموں میں اُن سے مشورہ لو‘‘۔

حاکم نے ابن عباس سے آیت ’’وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ‘‘ کے متعلق بیان کیا ہے:

قال: ”أبو بكر وعمر -رضي الله تعالىٰ عنهما-“. [۳]

’’یہ آیت حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے بارے میں نازل ہوئی‘‘۔

[اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ حضور -ﷺ- نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے]

(۴) ’’وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللہُ لَکُمْ وَاللہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲﴾‘‘ [۴]

---

[۱] تفسیر ابن ابی حاتم، ج: ٦، ص: ١٨٠١، مكتبه شامله

[۲] آل عمران، الآیة : ١٥٩

[۳] المستدرک علی الصحیحین، ج: ۳، ص: ۴۷، رقم: ۴۴۳۶، ابو بکر الصدیق بن ابی قحافۃ، مکتبہ شاملہ

[٤] النور، الآیة: ٢٢

”اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی۔ اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزریں۔ کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمھاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے“۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہا- سے روایت ہے کہ:

”یہ آیت حضرت ابوبکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے بارے میں نازل ہوئی“۔[۱]

واضح ہو کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو ”اُولُوا الْفَضْلِ“ یعنی اصحاب فضیلت سے قرار دیا ہے۔

(۵) ”اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا“۔[۲]

”اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا۔“

ابن عساکر نے ابن عیینہ سے روایت کی ہے کہ:

”عاتب الله المسلمين كلهم في رسول الله -ﷺ- غير أبي بكر وحده؛ فإنه خرج من المعاتبة، وتلا قوله تعالى:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ“۔[۳]

”اللہ تعالیٰ نے سوائے ابوبکر کے سب مسلمانوں سے ناراضی کا اظہار فرمایا، اور حضرت ابوبکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- اس ناراضی سے خارج ہیں۔ پھر مذکورہ بالا آیت پڑھی“۔

قرآن حکیم کی ان آیات اور ان کے تحت مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہیں۔ فللہ الحمد۔

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح البخاری، رقم: ۲۴۶۷، باب تعدیل النساء بعضهن بعضا.

[۲] التوبة، الآية : ۴۰

[۳] مختصر تاریخ دمشق، ج: ۴، ص: ۲۷۲، مکتبہ شاملہ

احادیثِ کریمہ

حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے افضلِ امت ہونے پر احادیث وآثار اس کثرت سے وارد ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، اور ان سے اجماع کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے چند احادیث صحیحہ، صریحہ ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) صحیح بخاری میں حضرت محمد بن حنفیہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی -حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے عرض کی:

" أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ -ﷺ-؟ قَالَ : أَبُو بَكْرٍ، قُلْتُ : ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ : ثُمَّ عُمَرُ، وَخَشِيتُ أَنْ يَقُولَ عُثْمَانُ، قُلْتُ : ثُمَّ أَنْتَ، قَالَ : مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنْ الْمُسْلِمِينَ". [۱]

"رسول اللہ -ﷺ- کے بعد کون شخص بہتر ہے؟ فرمایا: ابو بکر۔ میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا: عمر۔ میں ڈرا کہ کہیں آپ عثمان کا نام نہ لے لیں، اس لیے میں نے کہا: پھر آپ؟ آپ نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی ہوں"۔

امام ذہبی کہتے ہیں یہ حدیث حضرت علی سے متواتر ہے۔

(۲) بخاری و مسلم میں حضرت عمرو بن عاص -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور نبی کریم -ﷺ- سے دریافت کیا:

" أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ ؟ قَالَ : عَائِشَةُ ، فَقُلْتُ مِنْ الرِّجَالِ؟ فَقَالَ : أَبُوهَا ، قُلْتُ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ، فَعَدَّ رِجَالًا ". [۲]

---

[۱] صحیح البخاري، ج:۱۲، ص:۳۰، رقم : ۳۳۹۵، باب قول النبي -ﷺ- لو کنت متخذ اخلیلا الخ، مکتبہ شاملہ

[۲] صحیح البخاري، ج:۱۱، ص:۴۹۷، رقم:۳۳۸۹، باب لو کنت متخذ اخلیلا الخ، مکتبہ شاملہ

" لوگوں میں آپ کو کون زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: عائشہ، میں نے کہا: مردوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ فرمایا: اس کا باپ۔ میں نے کہا: پھر کون؟ فرمایا: عمر بن خطاب۔ پھر آپ نے کئی آدمیوں کے نام گنائے"۔

(۳) امام دارقطنی نے حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت کی ہے:

"لئن سمعت أحداً يفضلني على الشيخين -رضي الله تعالىٰ عنهما- لأحدّنه حد الفرية". [۱]

" جس کسی کو میں نے سنا کہ وہ مجھے حضرت ابوبکر و عمر پر فضیلت دے رہا ہے، اس پر مفتری کی حد -۸۰ کوڑے- جاری کروں گا"۔

(۴) تاریخ دمشق میں حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے ہے:

"لا أجد أحداً يفضلني على أبي بكر وعمر إلا جلدته حد المفتري". [۲]

"میں نے کسی کو حضرت ابوبکر و عمر پر مجھ کو فضیلت دیتے ہوئے پایا تو اسے مفتری کی حد -۸۰/ کوڑے- لگاؤں گا"۔

(۵) سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن سلمہ سے روایت ہے:

"سمعت عليا يقول: خير الناس بعد رسول الله -ﷺ- أبو بكر، وخير الناس بعد أبي بكر عمر". [۳]

"میں نے حضرت علی کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ - ﷺ - کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابوبکر ہیں اور ابوبکر کے بعد سب سے بہتر عمر ہیں"۔

(۶) تاریخ بغداد میں قاضی شریح سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا:

---

[۱] مختصر تحفۂ اثناعشریہ، ج: ۲۳، ص: ۱۶۶، مکتبہ شاملہ

[۲] تاریخ دمشق، ج: ۴، ص: ۲۹۶، مکتبہ شاملہ

[۳] سنن ابن ماجہ، باب فضل عمر، ج: ۱، ص: ۳۹، مکتبہ شاملہ

”خیر هذه الأمة بعد نبیها أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم أنا - رضی الله تعالىٰ عنهم-“. [۱]

”اس امت کے نبی کے بعد بہترین آدمی ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر میں“۔

(۷) اسی میں ہے:

”خیر هذه الأمة بعد نبیها أبو بكر وعمر“. [۲]

”اس امت کے نبی کے بعد بہترین آدمی ابوبکر ہیں، پھر عمر“۔

(۸) سنن ترمذی میں حضرت جابر بن عبداللہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت ہے کہ حضرت عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نے حضرت ابوبکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے کہا:

”يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ ! فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَمَا إِنَّكَ إِنْ قُلْتَ ذَاكَ فَلَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ -ﷺ- يَقُولُ : مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلَى رَجُلٍ خَيْرٍ مِنْ عُمَرَ“. [۳]

”اے رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر! تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: اگر آپ نے یہ کہا، تو میں نے رسول اللہ -ﷺ- سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: عمر سے بہتر شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا“۔

(۹) صحیح ابن حبان، جامع ترمذی اور المستدرک للحاکم میں حضرت عمر سے مروی ہے:

” كَانَ أَبُو بَكْرٍ أَحَبَّنَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ -ﷺ- وَكَانَ خَيْرَنَا وَسَيِّدَنَا“. [۴]

” رسول اللہ -ﷺ- کے نزدیک، حضرت ابوبکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہم میں

---

[۱] تاریخ بغداد، ج: ۱، ص: ۳۲۵، شاملہ

[۲] مصدر سابق

[۳] سنن الترمذی، رقم: ۳۶۸۴، کتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب، ج: ۵، ص: ۶۱۸، مکتبہ شاملہ

[۴] صحیح ابن حبان، ج: ۱۵، ص: ۲۷۸۔ سنن الترمذی، مناقب ابی بکر الصدیق، ج: ۵، ص: ۶۰۶۔ المستدرک للحاکم، باب ابوبکر الصدیق، ج: ۳، ص: ۶۹، مکتبہ شاملہ

سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اور وہ ہم میں سب سے بہتر اور سردار تھے"۔

(۱۰) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نے حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے کہا:

"أَنْتَ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَأَحَبُّنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ -ﷺ-". [۱]

"آپ ہمارے آقا اور ہم میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ -ﷺ- کے نزدیک ہم میں سب سے زیادہ محبوب ہیں"۔

(۱۱) صحیح بخاری میں حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت ہے:

"(إِنِّي) كُنْتُ كَثِيرًا أَسْمَعُ النَّبِيَّ -ﷺ- يَقُولُ : ذَهَبْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَدَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَخَرَجْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ". [۲]

"میں نے بارہا رسول اللہ -ﷺ- کو فرماتے سنا: میں اور ابوبکر و عمر گئے، میں اور ابو بکر و عمر داخل ہوئے، میں اور ابوبکر و عمر نکلے"۔

(۱۲) عبد بن حمید نے اپنی مسند میں، اور ابو نعیم وغیرہ نے حضرت ابو دردا -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ -ﷺ- نے فرمایا:

"مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلاَ غَرَبَتْ عَلَى أَحَدٍ أَفْضَلَ أَوْ أَخْيَرَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ نَبِيٌّ". [۳]

"حضرت ابوبکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے افضل شخص پر سورج، طلوع ہوا نہ غروب ہوا، سوائے نبی کے"۔

(۱۳) امام طبرانی نے حضرت اسعد بن زرارہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت کی ہے کہ

---

[۱] صحیح البخاری، ج ۱۲، ص ۲، المناقب، باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا الخ، مکتبہ شاملہ
[۲] صحیح البخاری، رقم ۳۶۸۵ ج ۵، ص ۱۴، باب مناقب عمر بن الخطاب، مکتبہ شاملہ
[۳] مسند عبد بن حمید، ج: ۱، ص: ۱۰۱، رقم: ۲۱۲، مکتبہ شاملہ

سرکار مصطفی -ﷺ- نے فرمایا:

" إن روح القدس جبريل - عليه السلام- أخبرني آنفا : إن خير أمتك بعدك أبو بكر الصديق". [۱]

" جبرئیل - علیہ السلام- نے مجھے ابھی خبر دی ہے کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے بہتر ابو بکر صدیق ہیں"۔

(۱۴) اخبار اصفہان میں ابن مردویہ کے حوالے سے ہے کہ: مصطفیٰ جانِ رحمت -ﷺ- نے فرمایا:

"أبو بكر خير الناس إلا أن يكون نبيا". [۲]

"ابو بکر صدیق - رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سب لوگوں سے بہتر ہیں، سوائے اس کے کہ کوئی نبی ہو"۔

(۱۵) امام احمد، بخاری، ابن حبان، نسائی، ابو یعلی اور طحاوی نے حضرت ابن عباس - رضی اللہ تعالیٰ عنھما- سے روایت کی ہے کہ حضور -ﷺ- نے فرمایا:

" إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَمَنَّ عَلَيَّ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ مِنْ أَبِي بكْرِ بْنِ أَبِي قُحَافَةَ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلَكِنْ خُلَّةُ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ، سُدُّوا عَنِّي كُلَّ خَوْخَةٍ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ أَبِي بَكْرٍ". [۳]

" لوگوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو ابو بکر سے بڑھ کر مجھ پر جان و مال سے فدا ہو۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ لیکن اسلام دوستی سب سے افضل ہے۔ اس مسجد کی سب کھڑکیوں کو سوائے ابو بکر کی کھڑکی کے بند کر دو"۔

---

[۱] المعجم الاوسط، ج : ٦ ، ص: ٢٦٢، رقم: ٦٤٤٨، مکتبہ شاملہ

[۲] اخبار اصبہان، رقم: ٤٠٥١٩، ج:٧، ص:١١١، مکتبہ شاملہ .

[۳] صحیح البخاری، بَاب الْخَوْخَةِ وَالْمَمَرِّ فِي الْمَسْجِدِ، ج:۲، ص:۲۶۹، رقم: ۴۴۷، مکتبہ شاملہ

(۱۶) امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ - رضی اللہ تعالیٰ عنہا- سے روایت کی ہے کہ حضور - ﷺ- نے فرمایا:

"لاَ يَنْبَغِي لِقَوْمٍ فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ". [۱]

"جس قوم میں ابو بکر موجود ہوں ان میں کسی اور کو امامت نہیں کرنا چاہیے"۔

(۱۷) معجم کبیر طبرانی میں ہے کہ آقا -ﷺ- نے فرمایا:

" مَا أَحَدٌ أَعْظَمُ عِنْدِي يَدًا مِنْ أَبِي بَكْرٍ -رَضِي الله تَعَالَىٰ عَنْهُ- وَاسَانِي بنفْسِهِ وَمَالِهِ وأَنْكَحَنِي ابْنَتَهُ". [۲]

"ابو بکر سے بڑھ کر مجھ پر کسی احسان نہیں، اس نے اپنی جان ومال سے میری ہمدردی کی اور اپنی بیٹی سے میرا نکاح کیا"۔

(۱۸) تاریخ دمشق اور جامع الاحادیث میں حضرت ابو ہریرہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت ہے:

" أبو بكر وعمر خير الأولين والآخرين وخير أهل السماوات وخير أهل الأرض إلا النبيين والمرسلين". [۳]

"اولین وآخرین اور آسمان و زمیں والوں میں سب سے افضل ابو بکر و عمر ہیں، سوائے انبیاو مرسلین کے"۔

(۱۹) معجم کبیر طبرانی میں ہے، کہ رسول اللہ -ﷺ- نے فرمایا:

"إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ خَاصَّةً مِنْ أَصْحَابِهِ، وَإِنَّ خَاصَّتِي مِنْ أَصْحَابِي أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ". -رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا- [۴]

---

[۱] جامع الترمذی، رقم: ۳۶۷۳، ج: ۶، ص: ۵۵، مکتبہ شاملہ
[۲] المعجم الکبیر، رقم: ۱۱۲۹۹۹، ج: ۹، ص: ۳۹۲، مکتبہ شاملہ
[۳] تاریخ دمشق، ج: ۶، ص: ۲۴۔ جامع الاحادیث، رقم: ۲۳۱، ج: ۲، ص: ۱۴۷، مکتبہ شاملہ
[۴] المعجم الکبیر، رقم ۹۸۶۵، ج ۸، ص ۴۰۴، مکتبہ شاملہ۔

”ہر نبی کے کچھ خاص احباب ہوتے ہیں اور میرے خاص احباب ابو بکر وعمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- ہیں“۔

(۲۰) ابن النجار نے انس - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - سے روایت کی کہ رسول اللہ -ﷺ- نے ارشاد فرمایا:

”ما قدمت أبا بكر وعمر ولكن الله قدمهما“. [۱]

”میں نے ابو بکر و عمر کو مقدم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مقدم کیا“۔

(۲۱) امام ترمذی نے حضرت انس - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس -ﷺ- مہاجرین وانصار کی مجلس میں تشریف لاتے، جن میں ابو بکر و عمر بھی موجود ہوتے:

”فَلاَ يَرْفَعُ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنْهُمْ بَصَرَهُ إِلاَّ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَإِنَّهُمَا كَانَا يَنْظُرَانِ إِلَيْهِ وَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمَا وَ يَتَبَسَّمَانِ إِلَيْهِ وَ يَتَبَسَّمُ إِلَيْهِمَا“. [۲]

”تو سوائے ابو بکر و عمر کے کوئی دوسرا صحابی حضور -ﷺ- کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا، وہ دونوں آپ کی طرف اور آپ ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے“۔

بحمدہ تعالیٰ ان احادیث کثیرہ، صحیحہ، مستفیضہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہوا کہ:

”تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - ہیں“۔

اور اس گم راہ کن نظریہ کی کما حقہ تردید ہو گئی کہ:

”تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- تھے“۔

★ ★ ★ ★ ★ ★

[۱] کنز العمال، رقم ۳۲۶۶۶، ج ۱۱، ص ۵۶۶، مکتبہ شاملہ۔

[۲] الترمذی، رقم: ۳۶۶۸، ج: ۶، ص: ۵۳، مکتبہ شاملہ۔

اجماع کا بیان

جمہور اہل سنت کے نزدیک خلفاے ثلاثہ - حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم - کا، سیدنا علی - کرم اللہ وجہہ الکریم - بلکہ تمام صحابہ سے افضل ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ اصحاب رسول - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - جو امت کے مقتدا و امین ہیں، اور جن کی ذوات قدسی صفات پر تمام امت کو ناز ہے، بالاتفاق انھیں کو افضل امت جانتے، اور ان کے برابر کسی کو نہ مانتے۔ چند شواہد ملاحظہ ہوں:

(۱) صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر - رضی اللہ تعالیٰ عنہما - سے روایت ہے:

" كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ". [۱]

" ہم صحابہ، رسول اللہ - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - کے زمانے میں کسی کو بھی ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان - رضی اللہ تعالیٰ عنہم - کے برابر نہ سمجھتے تھے۔ پھر ہم نبی پاک - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - کے صحابہ کے مابین فضیلت کے معاملے کا ذکر نہ کرتے"۔

(۲) ابوداود کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر - رضی اللہ تعالیٰ عنہما - کا بیان یوں ہے:

"كُنَّا نَقُولُ وَرَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- حَيٌّ : أَفْضَلُ أُمَّةِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- بَعْدَهُ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ -رضي الله عنهم أجمعين-. [۲]

"ہم رسول اللہ - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - کی زندگی میں حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان - رضی اللہ تعالیٰ عنہم - کو افضل امت کہا کرتے تھے"۔

بلکہ امام طبرانی نے اِن الفاظ کا اضافہ کیا:

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان، رقم: ۳۴۲۱، مکتبہ شاملہ

[۲] سنن ابوداود، کتاب السنۃ، باب فی التفضیل، رقم: ۴۶۳۰، مکتبہ شاملہ

"فَيَبْلُغُ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ -ﷺ- فَلا يُنْكِرُ ذَلِكَ عَلَيْنَا". [۱]

"رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچتی تو آپ اس پر برا نہ مانتے"۔

(۳) ابن عساکر کی روایت میں ہے:

"كنا نفضل على عهد رسول الله - ﷺ- أبا بكر وعمر وعثمان ثم لا نفضل أحداً على أحد". [۲]

" ہم صحابہ، رسول اللہ -ﷺ- کے زمانے میں ابو بکر، عمر اور عثمان -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- کو فضیلت دیا کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے"۔

(۴) یہی ابن عساکر حضرت ابو ہریرہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے راوی ہیں:

"كنا معاشر أصحاب رسول الله -ﷺ- - ونحن متوافرون- نقول : أفضل هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم نسكت". [۳]

"ہم رسول اللہ -ﷺ- کے اصحاب وافر مقدار میں تھے، ہم کہا کرتے تھے اس امت کے نبی کے بعد افضل آدمی ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- ہیں۔ پھر ہم سکوت اختیار کیا کرتے تھے۔ [یعنی اِن کے بعد کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے۔]

اہل انصاف! صحابہ کرام کے اس اتفاق پر غور فرمائیں کہ صاف صاف ارشاد ہوا کہ زمانۂ رسالت میں ابو بکر و عمر و عثمان -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- کا ہمسر، صحابہ کسی دوسرے کو نہ سمجھتے اور افضلیت میں انھیں حضرات کو ترجیح دیتے۔

(۵) معجم اسماعیلی میں ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کو کوفہ کے منبر پر فرماتے سنا:

" ألا إن خير الناس بعد رسول الله -ﷺ- أبو بكر ثم عمر

---

[۱] المعجم الکبیر، ج:۱۱، ص:۳۴۲، رقم:۷۸۳، مکتبہ شاملہ

[۲] مختصر تاریخ دمشق، ج:۲، ص:۲۷۲، مکتبہ شاملہ

[۳] تاریخ الخلفاء، ج:۱، ص:۴۴

ولو شئت أن أخبركم بالثالث لأخبرتكم فنزل عن المنبر وهو يقول: عثمان عثمان". [۱]

"یقیناً رسول اللہ -ﷺ- کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں، پھر عمر، اور اگر میں چاہتا تو تیسرے افضل شخص کے بارے میں میں تمھیں بتاتا، پھر آپ عثمان عثمان فرماتے ہوئے منبر سے اتر آئے"۔

(۶) صحیح بخاری سے امام محمد بن حنفیہ کی روایت گزر چکی کہ انھوں نے حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے عرض کی کہ:

"رسول اللہ -ﷺ- کے بعد کون شخص بہتر ہے؟ فرمایا: ابو بکر۔ میں نے کہا: پھر کون؟ فرمایا: عمر۔ میں ڈرا کہ کہیں آپ عثمان کا نام نہ لے لیں، اس لیے میں نے کہا: پھر آپ؟ آپ نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی ہوں"۔ [۲]

امام ذہبی کہتے ہیں یہ حدیث حضرت علی سے متواتر ہے۔

واضح ہو کہ یہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کی روایت ہے، وہ بھی حضرت محمد بن حنفیہ سے، جو حضرت علی کے فرزند ارجمند ہیں۔ خود حضرت علی -کرم اللہ وجہہ- واضح الفاظ میں فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ -ﷺ- کے بعد سب سے بہتر حضرت ابو بکر ہیں، پھر حضرت عمر، اور اپنے بارے میں یہ تواضع وانکسار کہ میں تو ایک عام مسلمان ہوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت محمد بن حنفیہ کے زمانے میں یہ بات مشہور تھی کہ شیخین -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- کے بعد حضرت عثمان -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- افضل ہیں، اسی لیے انھوں نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ حضرت عثمان کا نام نہ لے لیں۔ اہل خرد کے لیے یہی ایک دلیل تمام دلائل پر بھاری ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(۷) حضرت میمون بن مہران سے کسی نے سوال کیا کہ شیخین افضل ہیں یا حضرت علی؟ یہ سنتے ہی ان کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا، یہاں تک کہ دست مبارک سے عصا

---

[۱] معجم اسماعیلی، ج:۱، ص:۴۲۰

[۲] صحیح البخاري، ج:۱۲، ص:۳۰، رقم: ۳۳۹۵، باب قول النبی -ﷺ- لو کنت متخذا خلیلا الخ، مکتبہ شاملہ

گر پڑا، اور فرمایا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانے تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ ابو بکر و عمر کے برابر کسی کو بتائیں گے۔ [۱]

(۸) شرح السُّنہ میں ہے:

"فهؤلاء أفضل الناس بعد النبيين والمرسلين ، وترتيبهم في الفضل كترتيبهم في الخلافة، فأفضلهم أبو بكر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علي –رضی اللہ تعالیٰ عنهم–". [۲]

"انبیا و مرسلین کے بعد، خلفاے اربعہ لوگوں میں سب سے افضل ہیں، ان کی افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب پر ہے۔ ان میں سب سے افضل سیدنا ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی، رضی اللہ عنہم"۔

(۹) امام اعظم ابو حنیفہ نے حضرات شیخین کی افضلیت اور حضرت عثمان و علی کی محبت کو اہل سنت کی علامت بلکہ شرط قرار دیا ہے۔

عینی شرح ہدایہ میں ہے:

"رآه ابو حينفة من شرائط اهل السنة والجماعة فقال : نحن نفضل الشيخين ونحب الختنين ، ونرى المسح على الخفين". [۳]

یہاں سے ظاہر ہے کہ زمانۂ صحابہ و تابعین میں تفضیل شیخین پر اجماع تھا، اور اس کے خلاف سے ان کے کان ناآشنا تھے۔ اسی طرح امام شافعی وغیرہ اکابر ائمہ اس بارے میں اجماع صحابہ و تابعین نقل کرتے ہیں۔ ان اساطین امت کے معاملات سے بحسن و خوبی عیاں ہے کہ شیخین اور حضرت عثمان کو مقدم کرنا باجماع صحابہ و تابعین مشہور و متواتر ہے۔

اور یہ تقدیم تفضیل کی بنا پر ہوئی کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقدیم انھیں گوارا، نہ تھی۔ یہ اتفاق ہی اُن کی تفضیل کے لیے شاہد عدل ہے۔

---

[۱] مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، امام احمد رضا خان، باب اول، ص:۶۳، جامعہ اسلامیہ کھاریان، پاکستان

[۲] شرح السنہ، ج:۱، ص: ۲۰۸، مکتبہ شاملہ۔

[۳] عینی شرح ہدایہ، ج:، ص:۹۷۔

اسی طرح اصول و عقائد کی عام کتابوں میں اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے **افضل** حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی ہیں۔ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم-

(۱) چناں چہ امام نووی شافعی، شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

”وَاتَّفَقَ أَهْل السُّنَّة عَلَى أَنَّ أَفْضَلهمْ أَبُو بَكْر ، ثُمَّ عُمَر. قَالَ جُمْهُورهمْ : ثُمَّ عُثْمَان ، ثُمَّ عَلِيّ -رضى الله تعالىٰ عنهم- “. [۱]

”اہل سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے **افضل** حضرت ابو بکر ہیں، پھر عمر۔ جمہور کا قول ہے کہ پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی سب سے **افضل** ہیں“۔

(۲) انہی کا بیان ہے:

”قَالَ أَبُو مَنْصُور الْبَغْدَادِيّ : أَصْحَابنَا مُجْمِعُونَ عَلَى أَنَّ أَفْضَلهمْ الْخُلَفَاء الْأَرْبَعَة عَلَى التَّرْتِيب الْمَذْكُورَة“. [۲]

”ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا اس امر پر اجماع ہے کہ **افضلِ** صحابہ، خلفاے اربعہ ہیں، ترتیب مذکورہ پر“۔

(۳) یہی امام نووی تہذیب الاسماء واللغات میں فرماتے ہیں:

”وأجمع أهل السُنة على أن أفضلهم على الإطلاق أبو بكر، ثم عمر. وقدَّم جمهورهم عثمان على عليّ. -رضى الله تعالىٰ عنهم- [۳]

”اہل سنت کا اجماع ہے کہ مطلقاً تمام صحابہ میں سب سے **افضل** حضرت ابو بکر ہیں پھر حضرت عمر، اور جمہور صحابہ نے حضرت عثمان کو حضرت علی پر مقدم کیا ہے“۔

- رضی الله تعالىٰ عنهم اجمعين-

---

[۱] شرح صحیح مسلم للنووي، ج:۸، ص:۱۱۸، مکتبہ شاملہ

[۲] مصدر سابق

[۳] تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۲۸، مکتبہ شاملہ

(۴) امام قسطلانی، ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

"إن أفضلهم على الإطلاق عند أهل السنة والجماعة إجماعا أبو بكر ثم عمر- رضى الله تعالىٰ عنهما- ". [۱]

"اہل سنت و جماعت کے نزدیک بالاجماع، تمام صحابہ میں سب سے **افضل** حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر"۔ -رضی اللہ تعالیٰ عنہما-

(۵) امام ابن الصلاح کا قول ہے:

"افضلهم على الإطلاق ابو بكر ثم عمر". [۲]

"بالاجماع، **افضل** صحابہ، حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر-رضی اللہ تعالیٰ عنہما-"

(۶) السیرۃ النبویہ میں ہے:

"أفضل الصحابة على الاطلاق أبو بكر الصديق" -رضي الله تعالىٰ عنه-. [۳]

" تمام صحابہ میں مطلقاً، سب سے **افضل** حضرت ابوبکر ہیں-رضی اللہ عنہ- "۔

(۷) حدائق الانوار و مطالع الاسرار میں ہے:

"وقد أجمعوا -رضي الله تعالىٰ عنهم- من غير توقف ولا تردد في حياة رسول الله -ﷺ- وبعد وفاته على أن أفضلهم أبو بكر ثم عمر-رضى الله تعالىٰ عنهما- ". [۴]

" صحابۂ کرام- رضی اللہ تعالیٰ عنہم - نے کسی توقف اور تردد کے بغیر نبی پاک -ﷺ- کی ظاہری زندگی میں اور آپ کے بعد اس بات پر اجماع کیا ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے **افضل** حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر-رضی اللہ تعالیٰ عنہما- "۔

---

[۱] اصول الدین عند الامام ابی حنیفۃ، المبحث الثانی، ج:۱، ص:۵۴۴، مکتبہ شاملہ

[۲] مصدر سابق

[۳] السیرۃ النبویۃ، ج:۴، ص:۲۶۸، مکتبہ شاملہ

[۴] حدائق الانوار و مطالع الاسرار، ج:۱ ص:۴۱۰، مکتبہ شاملہ

(۸) اسی میں حافظ ابو عمر یوسف بن محمد بن عبد البر المالکی سے ہے:

”أجمع أهل السنة على أن أفضل الأمة بعد نبيها : أبو بكر ، ثم عمر –رضى الله تعالىٰ عنهما– “.[۱]

”اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی –ﷺ– کے بعد، صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر ہیں پھر حضرت عمر –رضِی اللہ تعالیٰ عنہما– “۔

(۹) شرح العقیدہ السفارینیہ میں ہے:

”أن الخلفاء الأربعة هم أفضل الصحابة وأن أفضلهم أبو بكر“ –رضي الله تعالىٰ عنه–[۲]

” تمام صحابہ میں سب سے افضل خلفاے اربعہ ہیں، اور خلفاے اربعہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر ہیں۔ –رضِی اللہ تعالیٰ عنہ– “

(۱۰) شرح العقیدہ الطحاویہ میں ہے:

”ومُعْتَقَدُ أهل السنة والجماعة والذي دلَّتْ عليه النصوص ولا يجوز عليه خلافه: أنَّ أفضل هذه الأمة أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي، هؤلاء هم أفضل الصحابة“.[۳]

”اہل سنت و جماعت کا عقیدہ اور جس پر نصوص دال ہیں، جن کے خلاف جائز نہیں، یہ ہے کہ اس امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر ہیں، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی۔ یہی چاروں تمام صحابہ میں افضل ہیں – رضِی اللہ تعالیٰ عنہم – “۔

(۱۱) شیخ الاسلام ابن حجر شافعی مکی کا بیان ہے:

”اس بات پر ایمان لانا اور اس کی معرفت ضروری ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے بعد سب سے افضل اور بہتر اور اللہ رب العزت کے نزدیک مرتبے میں بڑے اور خلافت

---

[۱] مصدر سابق، ج:۱، ص:۴۱۱، مکتبہ شاملہ

[۲] شرح العقیدہ، ۱:۴۹۵، مکتبہ شاملہ

[۳] شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ج:۱، ص:۶۳۳، مکتبہ شاملہ

رسول -ﷺ- کے سب سے زیادہ مستحق حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ رسول کریم -ﷺ- کی وفات کے بعد روے زمین پر اِن اوصاف کا حامل کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا۔ پھر ان کے بعد اسی ترتیب و صفت پر حضرت عمر بن خطاب ہیں، پھر ان کے بعد اسی ترتیب و صفت پر حضرت عثمان بن عفان، پھر اسی نعت و صفت پر ان سب کے بعد حضرت علی بن ابی طالب ہیں"۔ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ [۱]

یہ اکابر ائمہ کے حوالے سے کچھ نقول درج کیے گئے، جن کا حاصل یہ ہے کہ:

تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر کی افضلیت ایک اجماعی امر ہے۔ پھر ان کے بعد مرتبے میں علی الترتیب حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی ہیں۔

اسی لیے علما نے کہا ہے کہ جو اس اجماع سے انکار کرے قریب ہے کہ اس کے ایمان میں خطرہ ہو۔

حیرت ہے ان لوگوں پر جو ایک طرف، خود کو اہل سنت قرار دیتے ہیں، پھر صحابہ، تابعین اور اکابر اہل سنت کا خلاف بھی کرتے ہیں۔ حالاں کہ سنی وہ مسلمان ہے جو جملہ عقائد میں اجماع صحابہ و تابعین اور اساطین امت کا پیرو ہو۔

اگر کوئی فرد یا جماعت، اجماع کا خلاف کرے، تو وہ ہرگز سنی نہیں، بلکہ بدعتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماے اہل سنت تفضیلیوں کو اہل سنت سے شمار نہیں کرتے، بلکہ انھیں اہل بدعت قرار دیتے ہیں۔

تمہید ابو شکور سالمی میں ہے:

"وبعض کلامھم بدعة ولا یکون کفرا. وھو قولھم بان علیا -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کان افضل من ابی بکر وعمر وعثمان". [۲]

"ان کا بعض کلام بدعت ہے، کفر نہیں۔ جیسے ان کا یہ قول کہ: حضرت علی - رضی

---

[۱] الصواعق المحرقہ، ج: ۲، ص: ۷۰۷، خاتمۃ في امور مهمۃ، مکتبہ شاملہ

[۲] مطلع القمرین، ص:٦٦

اللہ تعالیٰ عنہ - حضرت ابوبکر وعمر وعثمان - رضی اللہ تعالیٰ عنہم - سے افضل تھے"۔

تنبیہ: یہاں یہ امر واضح رہے کہ علی الاطلاق حضرت علی کو شیخین اور حضرت عثمان پر فضیلت دینا بدعت ہے۔ تمام صحابہ پر شیخین کی افضلیت مسلم ہے۔ البتہ حضرت عثمان و حضرت علی میں کون افضل ہیں، اس امر میں اہل سنت کے اقوال مختلف ہیں جیسا کہ گزرا کہ بعض حضرات نے اس میں توقف کیا، بعض حضرات نے حضرت علی کو حضرت عثمان سے افضل مانا ہے، اگرچہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ افضلیت، خلافت کی ترتیب پر ہے۔ اور حضرت عثمان حضرت علی سے افضل ہیں۔ ہاں! حضرت عثمان، حضرت علی سے خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، اس میں اہل سنت کا کوئی اختلاف نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفضیل شیخین کا انکار کرنے والے کا حکم

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بطور اختصار تفضیل شیخین کا انکار کرنے والے کا حکم درج کر دیا جائے:

[۱] شرح قصیدہ بدء الامالی میں ہے:

"من انکرہٗ یوشك أن فی ایمانه خطرا".[۱]

"جو شخص شیخین کی افضلیت کا منکر ہو، قریب ہے کہ اس کے ایمان میں خطرہ ہو"۔

[۲] امام ابو عبداللہ ذہبی حضرت سیدنا علی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - سے شیخین کی افضلیت بتواتر منقول ہونا ذکر کر کے فرماتے ہیں:

"فقبح اللہ الرافضة ما اجھلھم".[۲]

---

[۱] مطلع القمرین، ص:۶۵

[۲] تاریخ الاسلام، ج: ۳، ص: ۲۶۴، مکتبہ شاملہ

”خدا، رافضیوں کا برا کرے، یہ کس قدر جاہل ہیں“۔

[۳] البحرالرائق میں ہے:

”وَالرَّافِضِيُّ إنْ فَضَّلَ عَلِيًّا عَلَى غَيْرِهِ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ ، وَإِنْ أَنْكَرَ خِلَافَةَ الصِّدِّيقِ فَهُوَ كَافِرٌ“. [۱]

”رافضی اگر حضرت علی کو دیگر صحابہ سے افضل قرار دے تو بدعتی ہے، اور اگر خلافت صدیق کا انکار کرے تو کافر ہے“۔

[۴] ردالمحتار میں بزازیہ پھر خلاصہ سے ہے:

”أن الرافضي إذا كان يسب الشيخين و يلعنهما فهو كافر وإن كان يفضل عليا عليهما فهو مبتدع“. [۲]

”رافضی اگر شیخین کو برا بھلا کہے تو وہ کافر ہے اور اگر علی کو شیخین پر فضیلت دے تو بدعتی ہے“۔

[۵] حنبلی مسلک کی مشہور کتاب، شرح زرکسی میں ہے:

”واعلم أن المظهر للبدعة تارة تكفره، كالقائل بخلق القرآن ... نص أحمد على ذلك، وتارة تفسقه ، كمن يفضل علياً على غيره من الصحابة“. اه مختصراً. [۳]

”یعنی امام احمد بن حنبل کے بقول بدعتی کبھی کافر ہوتا ہے، جیسے خلق قرآن کا قائل اور جو شخص حضرت علی کو دیگر صحابہ پر فضیلت دے؛ وہ فاسق ہے“۔

[٦] السنۃ للخلال میں ہے کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

”من زعم أن عليا أفضل من أبي بكر فهو رجل سوء لا

[۱] البحرالرائق، باب امامۃ العبد الخ ج: ۳، ص: ۳۹۹، مکتبہ شاملہ

[۲] ردالمحتار، مطلب مهم في حكم سب الشيخين، ج: ۴، ص: ۲۳۷، مکتبہ شاملہ

[۳] باب الامامۃ، ج: ۱، ص: ۱۳۷، مکتبہ شاملہ

نخالطه و لا نجالسه". [۱]

"یعنی جو حضرت علی کو حضرت ابو بکر سے افضل قرار دے؛ وہ بُرا شخص ہے، اس سے میل جول درست نہیں"۔

اِن عبارات سے یہ امر، خوب واضح اور منکشف ہوگیا کہ عامۂ مومنین اور سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا مذہب یہی ہے کہ تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر کی افضلیت ایک اجماعی امر ہے۔ اور جو شخص حضرت علی کو شیخین سے افضل قرار دے؛ وہ بدعتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم رہے کہ عامۂ مومنین اور سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے خلاف اقدام کرنے کا انجام، نہایت ہولناک ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

''وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾''۔ [۲]

''راہ ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد جو رسول کا خلاف کرے اور مسلمانوں سے الگ راہ چلے، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں، اور جہنم میں داخل کریں۔ اور کیا ہی بری لوٹنے کی جگہ ہے''۔

اور شریعت مطہرہ کا یہ اصول بھی ذہن نشین رہے کہ:

تمام امت مسلمہ گم راہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ حدیث پاک میں ہے:

"لا یجمع الله هذه الامة علی الضلالة ابدا. و ید الله علی الجماعة، فمن شذ شذ فی النار". [۳]

★ ★ ★ ★ ★ ★

---

[۱] ج: ۲، ص: ۳۷۷، مکتبہ شاملہ

[۲] النساء، الآیۃ: ۱۱۵

[۳] المستدرک علی الصحیحین، عن ابن عمر – رضی اللہ تعالیٰ عنہما – ج: ۱، ص: ۱۱۵، کتاب العلم، رقم: ۳۹۲

بابِ دوم

اس گم راہ کُن نظــریہ کی تردید کہ:

خلافت کے اصل مستحق حضرت علی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - تھے؛

لیکن جمعیت حضرت ابو بکر - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کے ساتھ تھی؛

اس لیے حضرت علی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - نے خاموشی اختیار کی۔

ابن اثیر جزری، حضرت حسن بصری سے راوی ہیں کہ حضرت علی مرتضی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - نے فرمایا:

قدَّم رسول الله - ﷺ - أبا بكر، فصلى بالناس وأنا حاضر غير غائب ، وصحيح غير مريض، ولو شاء أن يقدمني قدمني، أفلا نرضى لدنيانا من رضيه رسول الله - ﷺ - لديننا ؟

[حدائق الانوار و مطالع الاسرار، ج:۱ص:۴۰۳۔ تاریخ الخمیس، ج:۲، ص:۱۶۴]

اللہ کے رسول - ﷺ - نے حضرت ابو بکر - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کو مقدم فرمایا، اور انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اس وقت میں بھی وہاں موجود ہوتا، غیر حاضر نہ ہوتا۔ میں صحت مند تھا، بیمار بھی نہ تھا، اگر حضور مجھے مقدم کرنا چاہتے تو مقدم فرما دیتے۔ [لیکن ایسا نہیں کیا] اس لیے جس ذات کو اللہ کے رسول نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا؛ ہم اس کو اپنی دنیا کے لیے کیوں پسند نہ کرتے ؟“

بابِ دوم

مسئلۂ امامت و خلافت

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ پر گفتگو سے قبل ”مسئلہ امامت وخلافت“ اور ”اختلافِ امت کے اسباب“ پر ایک نظر ڈال لی جائے:

حضور اقدس -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی وفات کے وقت سوائے منافقین کے تمام مسلمان ایک ہی عقیدے اور ایک ہی طریقے پر قائم تھے۔ صحابہ کرام میں سب سے پہلے اُن اجتہادی امور میں اختلاف رونما ہوا جن سے کفر و ایمان واجب نہیں ہوتا، اور صحابہ کا یہ اختلاف بھی خلوص نیت پر مبنی ہوتا۔ جیسا کہ نبیِ پاک -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کے مرضِ موت میں آپ کے اس قول پر اختلاف ہوا:

”ائْتُونِي أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدِي“.

”میرے پاس کاغذ لاؤ تاکہ تمھارے لیے ایسی تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد تم لوگ گم راہ نہ ہو“۔

اس بارے میں صحابۂ کرام میں اختلاف ہو گیا، یہاں تک کہ حضرت عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نے فرمایا: حضور تکلیف کی شدت کی وجہ سے ایسا فرما رہے ہیں۔ ہمارے لیے اللہ کی کتاب ہی کافی ہے۔ جب اس بات پر کافی شور و غل ہوا تو حضور -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے فرمایا: میرے پاس سے چلے جاؤ، میرے پاس تمھارا جھگڑا کرنا درست نہیں۔[۱]

---

[۱] ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، رقم ۴۳۱۹۔

اس خبر سے کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ نزاع امامت و خلافت کے بارے میں تھی۔ لیکن جب حضرت علی نے حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کی بیعت کرلی تو یہ اختلاف اسی وقت دم توڑ گیا اور حضرت ابو بکر کی خلافت پر تمام مسلمان متحد ہو گئے۔

حضرت عمر و عثمان -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- کے زمانے میں بھی اس اختلاف نے سر نہ اٹھایا، حضرت عمر کی شہادت ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں ہوئی۔ اور حضرت عثمان کے قتل کا سانحہ اس بات کے نتیجے میں پیش آیا کہ دشمنان دین، فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر کافی مضبوط ہو چکے تھے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ان کے حامیوں اور قاتلوں میں وسیع پیمانے پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے زمانہ خلافت میں آپ کے اور اصحاب جمل پھر اصحاب صفین کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی۔ جس کے نتیجے میں شیعہ اور خوارج دو نئے فرقے معرض وجود میں آ گئے۔

ادھر مہاجر وانصار کا مخلص گروہ بھی ۲ حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ **ایک** وہ جس نے حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کی پیروی کی، اور جنگ و صلح میں آپ کے ساتھ دیا، جیسے حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ۔ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- **دوسرا گروہ** وہ جس نے آپ کی بیعت کی، آپ کو خلافت کا مستحق گردانا، مگر مصلحت اور اجتہاد کے طور پر جنگ و جدال سے الگ رہے، وہ کسی صحابی کی تنقیص نہ کرتے، جیسے ابن عمر، سعد بن ابی وقاص، محمد بن مسلمہ وغیرہ۔ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- اصحاب جمل میں سے جن صحابہ سے آپ کی جنگ ہوئی، وہ بھی آپ سے محبت رکھتے، جیسے: حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عائشہ۔ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم-

۳۷ ہجری میں شیعہ فرقہ منظر عام پر آیا، ابتداءً یہ گروہ حضرت علی کی محبت میں مخلص تھا، پھر آہستہ آہستہ ان میں تشیع کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا۔ اور ان میں شیخین اور دیگر صحابہ پر بغیر کسی صحابی سے بغض کے، حضرت علی کی فضیلت اور استحقاق خلافت کا چرچا ہونے لگا۔ بات حضرت علی کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے اس کا سخت ایکشن لیا، فرمایا:

"اگر میں نے کسی کو سنا کہ وہ مجھے شیخین پر فضیلت دے رہا ہے تو میں اس پر تہمتِ زنا کی حد لگاؤں گا"۔

لیکن یہ معاملہ مزید وسیع تر ہوتا گیا، اور آپ کے زمانے ہی میں سبائیہ فرقہ ظاہر ہوا۔ اس کا لیڈر عبداللہ بن سبا یہودی تھا، جو مسلمان بن کر مسلمانوں کی صفوں میں گھس آیا تھا۔ اس گروہ نے چند صحابہ کو چھوڑ کر سب کو گالیاں دیں۔ ان سے اظہار بیزاری کی۔ انھیں میں سے ایک جماعت حضرت علی کو خدا کہنے لگی۔ مخلص شیعوں نے بھی ان کے معاملے کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا، اور حضرت علی کو ان سے جنگ کرنا پڑی۔ پھر غالی رافضی دو درجن سے زائد فرقوں میں بٹ گئے۔ جن میں سے اکثر، صحابۂ کرام کی تفسیق و تکفیر کرتے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی، مقدمۂ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"تشیع حضرت علی کی محبت اور صحابہ پر ان کی فضیلت کا نام ہے۔ جو شخص حضرت علی کو حضرت ابوبکر و عمر پر مقدم کرے؛ وہ غالی ہے، اسے رافضی کہتے ہیں، اور اگر ایسا نہیں تو شیعہ ہے"۔ [۱]

اہل تشیع کے مقابلے میں کچھ دوسرے لوگ پیدا ہوئے جو حضرت علی، عثمان، معاویہ، عمرو بن عاص وغیرہ -رضی اللہ تعالیٰ عنھم- کی تکفیر کرنے لگے۔ تحکیم سے رضامندی کا اظہار کرنے والے صحابہ کو بھی انھوں نے کافر قرار دیا۔ یہی فرقہ خارجی، ناصبی، اور حروری کہلایا۔

غالی رافضیوں میں امامیہ فرقہ اکثر صحابہ کرام کی تکفیر کے ساتھ ساتھ اس بات کا مدعی ہے کہ صحابۂ کرام کی طرف سے قرآن پاک میں کمی بیشی ہوئی ہے۔

اِن کے خیال کے مطابق قرآن کریم میں حضرت علی کی امامت کے بارے میں نص موجود تھی جسے صحابہ نے مٹا دیا۔ یہ فرقہ مسلمانوں میں رائج قرآن پر بالکل اعتماد نہیں کرتا۔ یہ ایک امام غائب کا منتظر ہے جو ظاہر ہو کر انھیں شریعت سکھائے گا۔ گویا، ان کے نزدیک ارکان شریعت ابھی بھی مکمل نہیں۔ یہ طبقہ اپنی تمام تر خرافات، اہل بیت کی طرف منسوب کرتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

دراصل اس گروہ کا مقصد مسلمانوں کی عزت و شوکت کو خاک میں ملانا ہے۔ جب

---

[۱] مقدمۂ فتح الباری، ج ۱، ص ۴۶۰، مکتبہ شاملہ۔

اس طبقہ نے یہ محسوس کیا کہ جنگ و جدال کے ذریعہ مسلمانوں کی پیش قدمی روک پانا ممکن نہیں، تو اس نے مسلمانوں کا بھیس بدل کر، دین میں نئی نئی بدعتیں پھیلا دی؛ تاکہ اسلام کی صحیح شکل گڈمڈ ہو جائے۔

ظاہر سی بات ہے کہ قرآن کریم میں تغیر و تبدل کو جائز ماننا، دین اسلام کو خیر آباد کہنا ہے۔ یہی وہ اختلاف ہے جس نے امت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ حیرت تو اس پر ہے کہ الحاد و بے دینی اور فتنہ و فساد کا یہ کھیل اہل بیت اطہار کی محبت اور دوستی کے پردے میں بہت ہی چابک دستی کے ساتھ کھیلا گیا۔

جانشینی میں اختلاف کی اصل وجہ:

اس گفتگو کے بعد اب اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ باب امامت و خلافت میں اختلاف کی اصل وجہ کیا ہے؟

اصول و عقائد اور تاریخ و سیرت کی کتابوں کے مطالعے کے بعد یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مختلف فرقوں کے اختلاف کا اصل سبب، وہ نظریات ہیں جو ان کے اصول میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کیا وراثت سے استحقاق ملتا ہے؟ اور وارث کون ہے؟

جمہور اہل سنت، امامت و خلافت کو وراثت قرار نہیں دیتے۔ رافضیوں میں سے امامیہ فرقہ انھیں مطلق طور سے وراثت قرار دیتا ہے۔ زیدیہ حضرت علی کے دو بیٹوں میں اس کی وراثت کے قائل ہیں۔ راوندیہ کے نزدیک حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس خلافت کے اصل مستحق ہیں۔ خطابیہ حضرت عمر کو مستحق خلافت گردانتے ہیں۔

اسی طرح اس امر میں بھی مختلف فرقوں کا اختلاف ہے کہ غیر قرشی خلافت کا اہل ہے یا نہیں؟ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ خلیفہ و امام کے لیے قرشی ہونا شرط ہے۔ مزید تفصیل کے لیے مطولات کی جانب مراجعت کی جائے۔

اس تمہید کے بعد اب اس نظریے کی حقیقت کا جائزہ لیتے ہیں کہ:

خلافت کے اصل مستحق حضرت علی -رضِی اللہ تعالیٰ عنہ- تھے؛ لیکن جمعیت حضرت ابو بکر -رضِی اللہ تعالیٰ عنہ- کے ساتھ تھی؛ اس لیے حضرت علی -رضِی اللہ تعالیٰ عنہ- نے خاموشی اختیار کی۔

اس نظریہ میں درج ذیل ۳/ امور کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) خلافت کے اصل مستحق حضرت علی -رضِی اللہ تعالیٰ عنہ- تھے۔

(۲) لیکن جمعیت حضرت ابو بکر -رضِی اللہ تعالیٰ عنہ- کے ساتھ تھی۔

(۳) جمعیت نے حضرت علی -رضِی اللہ تعالیٰ عنہ- کا ساتھ نہ دیا؛ اس لیے انھوں نے خاموشی اختیار کی۔

اب ہم تاریخی حقائق کی روشنی میں تینوں امور کا جائزہ لیتے ہیں۔

اقول و باللہ التوفیق: افضلیت کے باب میں ہم نے یہ امر اچھی طرح واضح کر دیا کہ **افضل امت، حضرت ابو بکر ہیں**، پھر خلفاے ثلثہ، پھر بقیہ عشرۂ مبشرہ۔ جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ حضرت ابو بکر صدیق، تمام صحابہ میں سب سے افضل ہیں، جس کی وجہ سے تمام صحابہ نے متفقہ طور پر آپ کی امامت و خلافت کو تسلیم کر لیا۔ تو اب یہ شگوفہ چھوڑنا کہ ”خلافت کے اصل مستحق حضرت علی تھے“ ایک بے معنی بات ہوئی۔

احادیث کریمہ:

احادیث و اخبار پر نظر ڈالنے کے بعد یہ امر منکشف ہوجاتا ہے کہ خود سیدنا ابو بکر صدیق کو امامت و خلافت کی کوئی خواہش نہ تھی، مگر امت کو اختلاف اور فتنہ و فساد سے بچانے کے لیے آپ نے منصب خلافت قبول فرمایا۔ اس سلسلے میں چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) صحیح بخاری میں سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کا واقعہ بتفصیل مذکور ہے۔ حضرت سیدنا عمر بن خطاب -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کا بیان ہے کہ -انصار کا جواب دینے کے بعد- حضرت ابو بکر نے میرا اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

”ان دونوں میں سے جسے آپ لوگ چاہیں، (خلافت کے لیے) پسند فرمالیں“۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ جو بات آپ نے کہی، میں نے اسے پسند کیا۔ بخدا اگر میں آگے بڑھوں اور میری گردن مار دی جائے تو یہ اتنا گناہ نہیں جتنا یہ کہ میں ایک ایسی قوم پر امیر بننا چاہوں، جس میں ابو بکر موجود ہوں۔

انصار میں سے ایک شخص [حضرت حباب بن منذر] نے کہا: اے قریش! ایک امیر ہم سے ہوگا، اور ایک امیر آپ لوگوں میں سے۔ اس کے بعد بڑا شور و شغب ہوا، اور مجھے اختلاف کا اندیشہ ہوا۔ تو میں نے حضرت ابو بکر سے کہا، ہاتھ بڑھائیے، آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا، تو میں نے اور مہاجرین نے آپ کی بیعت کرلی۔ اس کے بعد انصار نے بھی آکر آپ کی بیعت کرلی۔ خدا کی قسم ہم نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے زیادہ متفقہ بات کوئی نہ دیکھی۔ **ہمیں اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر ہم لوگوں سے علاحدہ ہوگئے اور بیعت نہ ہوئی تو وہ ہمارے بعد نئی بیعت کرلیں گے، یا ہم بادل ناخواستہ ان کی بیعت کرلیں، یا ان کی مخالفت کریں۔ اس صورت میں فساد ہوگا۔**[۱]

(۲) بیہقی و حاکم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف سے صحیح روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نے خطبے میں فرمایا:

”خدا کی قسم! میں کبھی امارت کا خواہش مند نہ تھا، اور نہ ہی مجھے اس میں کوئی رغبت تھی، اور نہ ہی میں نے خفیہ و علانیہ اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ لیکن فتنے سے ڈر گیا۔ اور مجھے امارت میں کیا راحت ہے؟ ہم نے ایک امر عظیم کا بار اٹھایا ہے، جسے میں اللہ -عز وجل- کی مدد کے بغیر اٹھا نہیں سکتا۔ مہاجرین نے آپ کی معذرت قبول کرلی۔ **حضرت**

---

[۱] صحیح البخاری، رقم: ۳۶۶۸، ج: ۵، ص: ۱۷۷۸، مکتبہ شاملہ

علی اور حضرت زبیر نے کہا: ہمیں صرف غصہ یہ تھا کہ ہمیں مشورے میں پیچھے رکھا گیا۔ لیکن ہم حضرت ابو بکر کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتے ہیں، وہ حضور کے یارِ غار ہیں۔ ہم آپ کے شرف و منزلت سے واقف ہیں۔ حضور -ﷺ- نے اپنی زندگی ہی میں آپ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا"۔ [۱]

(۳) حضرت ابن مسعود کی ایک روایت میں ہے:

"جب نبی کریم -ﷺ- کی وفات ہوئی تو انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم سے ہوگا اور ایک امیر آپ لوگوں میں سے۔ تو حضرت عمر بن خطاب نے ان کے پاس آکر کہا: اے گروہ انصار! کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ حضور -علیہ الصلاۃ والسلام- نے حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کو لوگوں کی امامت کا حکم دیا تھا، اور تم میں سے کون چاہتا تھا کہ ابو بکر سے مقدم ہو؟ تو انصار نے کہا: ہم اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ابو بکر سے مقدم ہوں"۔ [۲]

(۴) ابن سعد، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت کی ہے کہ جب انصار نے امر خلافت میں اختلاف کیا تو حضرت زید بن ثابت -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

"آپ لوگوں کو علم ہونا چاہیے کہ حضور -ﷺ- خود بھی مہاجرین میں سے تھے اور آپ کا خلیفہ بھی مہاجرین میں سے ہوگا۔ پھر آپ نے حضرت ابو بکر کا ہاتھ پکڑا، اور فرمایا کہ یہ تمھارے صاحب ہیں، تو حضرت عمر نے آپ کی بیعت کرلی۔ پھر مہاجرین و انصار نے آپ کی بیعت کی۔ حضرت ابو بکر نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کے چہروں پر نظر دوڑائی تو آپ کو حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نظر نہ آئے، انھیں بلوایا۔ وہ آئے تو -شکایتی لہجہ میں- فرمایا کہ تو نے رسول اللہ -ﷺ- کے چچازاد اور داماد ہونے کی بات کہہ کر مسلمانوں کو پراگندہ کرنا چاہا ہے، تو آپ نے کہا: اے خلیفۃ الرسول! برا نہ مانیے۔ اس کے بعد آپ نے بیعت کرلی۔ پھر

---

[۱] سنن بیھقی، رقم: ۱۷۰۳۰، ج: ۸، ص: ۱۵۲۔ المستدرک، رقم: ۴۴۲۲ -ج: ۳، ص: ۷۰، مکتبہ شاملہ

[۲] السنن الکبری للبیھقی، ج: ۸، ص: ۱۵۲، رقم: ۱۷۰۲۹، مکتبہ شاملہ

آپ نے لوگوں کا جائزہ لیا تو حضرت زبیر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نظر نہ آئے، انھیں بلوایا، وہ آئے تو آپ نے فرمایا: تو نے رسول اللہ -ﷺ- کے چچا زاد اور ان کے حواری ہونے کی بات کہ کر مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا ارادہ کیا؟ انھوں نے جواب دیا: اے رسول اللہ -ﷺ- کے خلیفہ! برا نہ مانیے۔ اس کے بعد اٹھ کر آپ کی بیعت کر لی"۔ [۱]

(۵) ابن سعد نے ابراہیم تیمی سے روایت کی ہے کہ:

"حضرت عمر پہلے حضرت ابو عبیدہ کے پاس آئے، اور کہا کہ ہاتھ بڑھائیے، میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں؛ کیوں کہ رسول اللہ -ﷺ- نے آپ کو اس امت کا امین قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا: جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، آپ کے منھ سے میں نے اتنی کمزور بات نہیں سنی۔ کیا آپ صدیق، اور ثانی اثنین کی موجودگی میں میری بیعت کریں گے؟" [۲]

(۶) ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں روایت کی ہے:

" حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہا: ہاتھ بڑھائیے! میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں، تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ مجھ سے افضل ہیں۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا: آپ مجھ سے طاقت ور ہیں۔ آپ نے یہ دو بار فرمایا۔ حضرت عمر نے کہا: میری قوت آپ کی فضیلت کی معین و مددگار ہے"۔ [۳]

(۷) ابن اسحاق وغیرہ کی روایت میں ہے:

"ایک شخص نے حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے پوچھا کہ خلیفہ اور لوگوں کا والی بن جانے پر کس بات نے آپ کو آمادہ کیا؟ آپ نے تو مجھے دو آدمیوں پر بھی امیر بننے سے منع کیا تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ:

---

[۱] سنن البیہقی، ج: ۸، ص: ۱۴۴، رقم: ۱۶۹۷۹۔ المستدرک، باب ابو بکر الصدیق، ج: ۳، ص: ۸۰، رقم: ۴۴۵۷

[۲] الریاض النضرۃ، ذکر ما اخبرہ بہ النصاری، ج: ۱، ص: ۱۰۳، مکتبہ شاملہ

[۳] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج: ۲، ص: ۶۷۔ تاریخ الاسلام للامام الذہبی، ج: ۳، ص: ۹، مکتبہ شاملہ

”لم أجد من ذلك بدا خشيت على أمة محمد الفرقة“. [۱]

”مجھے نبیِ کریم -ﷺ- کی امت میں تفرقے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے خلافت قبول کرلی۔“

ان مختلف روایات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر، افضلِ امت اور مستحق خلافت ہونے کے باوجود خلافت کے بالکل خواہش مند نہ تھے۔ یہی حال حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح کا بھی تھا۔ مگر ان اساطین امت کی نظر، ملت اسلامیہ کی اتحاد و اتفاق پر تھی۔ فراست ایمانی سے انھیں اس بات کا بخوبی احساس ہو چکا تھا کہ خلافت کے معاملے کو اگر فوری طور پر حل نہ کیا گیا تو فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جائے گا اور امت کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔

معلوم رہے کہ حضرت ابو بکر کی طرح حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی نے بھی خلافت کی خواہش نہ کی۔ حضرت ابو بکر نے اپنے بعد حضرت عمر کو خلیفہ نام زد فرما دیا تھا اور تمام صحابہ نے اسے بسر و چشم قبول کیا۔ اسی طرح حضرت عمر نے اپنے بعد چھ معزز ترین صحابہ [حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمن بن عوف - رضی اللہ تعالیٰ عنہم -] میں سے کسی ایک کے انتخاب کر لینے کا حکم دیا۔ کسی نے کہا کہ اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ مقرر کیوں نہیں کر دیتے؟ فرمایا: اللہ تیرا برا کرے۔ تو نے رضائے الٰہی کے لیے یہ بات نہیں کہی۔ کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کروں جسے اچھی طرح سے طلاق دینے کا سلیقہ نہیں؟ [۲]

بہر حال حضرت عثمان خلیفہ مقرر کیے گئے۔ حضرت علی سمیت تمام ارباب حل و عقد مہاجرین و انصار نے ان کی بیعت کر لی۔ پھر شہادت عثمان کے بعد حضرت علی -رضی اللہ

---

[۱] الصواعق المحرقہ، عن ابن إسحاق وغیرہ۔ الفصل الاول، ص: ۳۶، مکتبہ شاملہ

[۲] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی، پھر نبیِ کریم -ﷺ- کے حکم سے رجوع کر لیا۔

تعالیٰ عنہ- کی خلافت کے لیے بیعت ہوئی۔

اور یہ تمام بیعتیں ارباب شوریٰ کے باہمی مشورے سے ہوئیں۔ وہ بھی متفقہ طور پر۔ جن میں اصحاب بدرواُحد، اصحاب بیعت رضوان، اصحاب حنین و تبوک، سب شریک تھے۔ جن کی امانت و صداقت اور ہدایت و دیانت کا ہر مسلمان قائل بلکہ معتقد ہے۔ان کے بارے میں یہ وہم بھی گناہ ہے کہ انھوں نے اس معاملے میں خیانت کی ہوگی، یا کسی نااہل کو امامت و خلافت جیسی عظیم ذمہ داری سونپ دی ہوگی۔ حاشا و کلا۔ یہ ممکن نہیں۔بلکہ ایسا اعتقاد کھلی ہوئی گم راہی ہے۔

اور صحابۂ کرام کا امر خلافت پر اجماع فرمانا، ببانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ ان کا یہ قدم، اللہ رب العزت کے نزدیک بھی محبوب و مرغوب ہے۔ جیسا کہ امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے صحیح روایت کی ہے:

”مَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ ، وَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ سَيِّءٌ ، وَقَدْ رَأَى الصَّحَابَةُ جَمِيعًا أَنْ يَسْتَخْلِفُوا أَبَا بَكْرٍ -رَضِيَ اللهُ تعالیٰ عَنْهُ“. [۱]

”جس امر کو مسلمان اچھا سمجھیں؛ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے، اور جسے مسلمان برا خیال کریں؛ وہ اللہ رب العزت کے نزدیک بھی برا ہے۔ اور تمام صحابہ نے حضرت ابوبکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کو خلیفہ بنانا اچھا سمجھا“۔

امام بیہقی نے زعفرانی کے حوالے سے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے:

”أجمع الناس على خلافة أبي بكر فاستخلف أبو بكر عمر، ثم جعل عمر الشورى إلى ستة على أن يولوها واحدا ، فولوها عثمان . قال الشافعي : وذلك أنه اضطر الناس بعد رسول الله -ﷺ- فلم يجدوا

[۱] المستدرک للحاکم، رقم:۴۴۶۵، ج:۳، ص: ۸۳، باب ابوبکر الصدیق، مکتبہ شاملہ۔

تحت أديم السماء خيرا من أبي بكر الصديق فولوه رقابهم". [۱]

" لوگوں نے ابو بکر کی خلافت پر اجماع کر لیا۔ پھر حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا، پھر حضرت عمر نے چھ صحابہ کو مجلس شوریٰ کے حوالے کیا، کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو والی مقرر کر لیں۔ تو انھوں نے حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کر لیا۔ امام شافعی کہتے ہیں: اس لیے کہ رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی وفات کے بعد ان میں سخت اضطراب پیدا ہوا اور انھوں نے آسمان کے نیچے حضرت ابو بکر سے بہتر کسی کو نہ پایا تو ان کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں"۔

اسد السنہ نے معاویہ بن قرہ سے روایت کی ہے کہ:

"ما كان أصحاب رسول الله يشكون أن أبا بكر خليفة رسول الله وما كانوا يسمونه إلا خليفة رسول الله وما كانوا يجتمعون على خطأ ولا ضلالة". [۲]

"اصحاب رسول میں سے کسی کو حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے خلیفۂ رسول ہونے میں کوئی شک نہ تھا۔ وہ انھیں رسول خدا کا خلیفہ ہی کہتے تھے۔ وہ خطا اور ضلالت پر اتفاق نہیں کر سکتے تھے"۔

اسی لیے زمانۂ صحابہ سے لے کر اب تک ہر دور کے اہل سنت و جماعت نے حضور نبی کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کو خلافت کا سب سے زیادہ حق دار سمجھا۔ ان کے بعد بقیہ خلفاے ثلثہ کو۔ چند رافضیوں کو چھوڑ کر اہل سنت، معتزلہ، اور اکثر فرقوں کا حضرت ابو بکر کی خلافت پر اجماع، اس بات کا فیصلہ کُن ثبوت ہے کہ وہ خلافت کے اہل اور اصل مستحق تھے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار چمکتے سورج کا انکار ہے۔

یہاں یہ امر بھی ذہن نشیں رہے کہ خود سیدنا مولاے کائنات -کرم اللہ وجہہ الکریم- بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جنھوں نے اس معاملے کو اجماعی قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے

---

[۱] معرفۃ السنن والآثار، ج:۱، ص:۹۳، رقم: ۴۷، مکتبہ شاملہ

[۲] الصواعق، ج:۱، ص: ۴۰، الفصل الثانی، مکتبہ شاملہ

پیش رو، تینوں خلفا کی آپ نے بیعت کی۔ اور ان کے مقابلے میں اپنی افضلیت یا مستحق خلافت ہونے کا کبھی تذکرہ نہ کیا۔ بلکہ اس کے برخلاف فرمایا کہ جو مجھے شیخین سے افضل قرار دے، اسے شرعی سزادوں گا۔

اِن چشم کُشا حقائق کے بعد یہ کہنا کہ ''خلافت کے اصل مستحق حضرت علی تھے''، بالکل لغو اور بے کار بات ہے۔ بلکہ حقائق کا انکار ہے۔ جو بہر حال مردود ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی حقیقت سے بہت دور ہے کہ ''جمعیت ابوبکر کے ساتھ تھی؛ اس لیے حضرت علی نے خاموشی اختیار کی'' اس لیے کہ شواہد و قرائن اور دلائل و براہین اس کی نفی کرتے نظر آتے ہیں۔ کچھ شواہد پیش خدمت ہیں:

(۱) امام حاکم نے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابو قحافہ نے اپنے بیٹے حضرت ابوبکر کی ولایت و خلافت کی خبر سنی تو انھوں نے کہا:

''ورضيت بنو مخزوم وبنو المغيرة ؟ قالوا: نعم قال: اللهم لا واضع لما رفعت و لا رافع لما وضعت''.[۱]

''کیا بنی مخزوم اور بنی مغیرہ اس بات پر رضا مند ہو گئے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں! تو کہنے لگے: اے اللہ! جسے تو بلند کرے؛ اسے کوئی گرا نہیں سکتا۔ اور جسے تو گرائے؛ اسے کوئی بلند نہیں کر سکتا''۔

اس روایت سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو قحافہ کو اس بات پر حیرت ضرور ہوئی کہ قریش کے عظیم ترین قبائل بنی مخزوم اور بنی مغیرہ نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے۔ اسی طرح قبائل قریش میں سے بنی عبد مناف، بنی ہاشم، بنی امیہ، بنی عبد شمس، بنی نوفل، بنی زہرہ، بنی اسد بن عبد العزی، بنی الحارث وغیرہ نے بھی حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی، اسی لیے آپ نے تعجب کا اظہار فرمایا۔

اس پر اب یہ کہنا کہ: جمعیتِ صحابہ نے خلافت کے اصل مستحق حضرت علی کو

---

[۱] المستدرک علی الصحیحین، رقم: ۴۴۶۵-ج: ۳، ص: ۸۳، باب ذكر مناقب ابی قحافة، مکتبہ شاملہ

چھوڑ کر ایک غیر مستحق شخص حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا، نہایت ہی کم زور اور حقیقت سے بہت دور بات ہے۔

(۲) اس سے قبل ابن سعد کی روایت گزر چکی کہ ''حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فرمایا: آپ مجھ سے طاقت ور ہیں، اس لیے خلافت کے آپ اہل ہیں۔ آپ نے یہ بات مکرر فرمائی۔ تو حضرت عمر نے کہا میری قوت آپ کی فضیلت کی معین و مددگار ہے''۔

گویا کہ حضرت ابوبکر کو اپنی جمعیت اور جسمانی کم زوری کا احساس تھا، اس کے باوجود صحابہ نے آپ کی افضلیت، اسلام میں سبقت، دینِ حنیف کی خدمت، اور مصطفیٰ جان رحمت سے محبت کا برملا اعتراف کرتے ہوئے، آپ کو یہ عظیم ذمہ داری سونپ دی؛ کیوں کہ صحابہ جانتے تھے کہ اس وقت روے زمین پر آپ سے زیادہ افضل اور مستحق کوئی دوسرا شخص نہیں ہے جس کے سر پر نیابت نبوی کا تاج رکھا جا سکے۔ چناں چہ بعد کے حالات نے بتا دیا کہ حضرت ابوبکر نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ کاروبارِ خلافت انجام دیا، وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

مشکل حالات میں جیش اسامہ کی روانگی، مرتدین سے قتال کے لیے خود نکلنا، مدعیان نبوت کی سرکوبی، آپ کے دور خلافت میں مسلمانوں کا رومیوں اور ایرانیوں سے ٹکر لینا اور جمع قرآن وغیرہ، آپ کے وہ روشن کارنامے ہیں جو آپ کی ایمانی قوت، سیاسی جرأت اور استحقاق خلافت کا پتا دیتے ہیں۔

اور مولاے کائنات پر یہ الزام تراشی کہ ''جماعت صحابہ نے آپ کا ساتھ نہ دیا؛ اس لیے آپ نے خاموشی اختیار کی، یا آپ نے بحالت مجبوری حضرت ابوبکر کی بیعت کی''۔

یہ بات اس مرد مومن کے لیے ہرگز ہرگز لائق تسلیم نہیں جو سیدنا علی کی جرأت و شجاعت اور آئینۂ جواں مردی کی حقیقت کو سمجھتا ہے اور صدق دل سے اسے تسلیم بھی کرتا ہے۔

اس سلسلے میں امام بیہقی اور امام حاکم کی روایت گزر چکی کہ:

حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا کہ: ہمیں صرف غصہ یہ تھا کہ ہمیں مشورے میں پیچھے رکھا گیا۔ لیکن ہم حضرت ابوبکر کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتے ہیں، وہ

حضور کے یارِ غار ہیں۔ ہم آپ کے شرف و منزلت سے واقف ہیں۔ حضور -ﷺ- نے اپنی زندگی ہی میں آپ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ [۱]

اوراس الزام تراشی اور بہتان طرازی کی قلعی کھولنے کے لیے یہ **واقعہ** ہی کافی ہے کہ جب تمام صحابہ نے حضرت ابو بکر - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کی بیعت کرلی تو حضرت ابو سفیان بن حرب - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کو یہ امر کچھ عجیب سا لگا، آل عبد مناف سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

يا آل عبد مناف ! فيم أبو بكر من أموركم؟ أين المستضعفان؟ أين الأذلان علي والعباس؟ ما بال هذا الأمر في أقل حي من قريش؟

"اے بنی عبد مناف! حضرت ابو بکر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمھارے امیر و خلیفہ بنیں، وہ دونوں کم زور اور پست ہمت، علی و عباس کہاں ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ قریش کے سب سے معمولی قبیلے کا ایک فرد تمھارا حاکم اور امیر بن گیا"۔

پھر حضرت ابو سفیان - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے مکان پر آئے اور کہنے لگے: آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے، میں آپ کی بیعت کرتا ہوں:

"فوالله لئن شئت لأملأنها عليه خيلاً ورجلاً".

"خدا کی قسم! اگر آپ حکم دیں تو حضرت ابو بکر سے مقابلے کے لیے اس میدان کو شہ سواروں اور پا پیادہ سپاہیوں سے بھر دوں"۔

سیدنا علی مرتضی نے ان کی بات سننے کے بعد ناپسندیدگی کے ساتھ فرمایا:

"اے ابو سفیان! بغیر مقصد کے، آپ حرکت نہیں کرتے۔ کیا آپ کا مقصد، اسلام کو نقصان پہنچانا ہے؟ میں ان باتوں سے دھوکے میں آنے والا نہیں ہوں۔ اور نہ ہی مجھے اس خیر خواہی کی کوئی حاجت ہے"۔ [۲]

---

[۱] ملاحظہ ہو: سنن بیہقی، رقم: ۱۷۰۳۰، ج: ۸، ص: ۱۵۲۔ المستدرک، رقم: ۴۴۲۲، ج: ۳، ص: ۷۰، مکتبہ شاملہ

[۲] الکامل فی التاریخ، ص: ۱، ص: ۳۵۸۔ تاریخ الامم والملوک، حدیث التقیفہ، ج: ۲، ص: ۲۳۷، مکتبہ شاملہ

قارئین، غور فرمائیں کہ ابو سفیان جیسی مایہ ناز شخصیت نے حضرت علی کو خلافت کے لیے آمادہ کرنا چاہا، خیر خواہی کی پیش کش کی [اور یہ ابو سفیان وہ ہیں جنھوں نے اسلام لانے سے قبل اکثر جنگوں میں اہل اسلام سے مقابلہ کیا تھا اور امیر لشکر ہوا کرتے تھے] لیکن یہ سب جاننے کے باوجود حضرت علی کا اُن کی پیش کش کو قبول نہ کرنا اور اُن کی حرکت کو اسلام کو نقصان پہنچانے والا گردانا، کیا اس امر کا کھلا ثبوت نہیں ہے کہ آپ نے تمام صحابہ کی طرح صدق دل سے حضرت ابو بکر کی بیعت کی تھی؟

کہاں ہیں وہ لوگ! جو حضرت علی کے ساتھ جمعیت نہ ہونے کا رونا روتے ہیں، اس واقعے پر غور کریں اور اپنی اصلاح فرمالیں۔ خدارا! مسلمانوں کو مزید ٹکڑوں میں بانٹنے کی کوشش نہ کریں۔

اس واقعے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر کا قبیلہ "تیم" قریش کے دیگر قبائل کے بہ مقابل ایک چھوٹا اور مختصر قبیلہ تھا، جب کہ قبیلۂ بنو عبد مناف، قبیلہ مغیرہ و مخزوم بڑے قبائل اور بڑی جمعیت والے تھے؛ اسی لیے تو حضرت ابو سفیان نے کہا تھا کہ:

"کیا وجہ ہے کہ قریش کے ایک معمولی قبیلے کا ایک فرد والی بن گیا، اور دیگر قبائل جن کی افرادی قوت زیادہ تھی، وہ اس حق سے محروم رہے"۔

حضرت ابو سفیان کا یہ بیان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابو بکر کی خلافت جمعیت کے لحاظ سے نہیں، بلکہ ان کی افضلیت اور استحقاق کی وجہ سے ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر مولائے کائنات خلافت کو اپنا حق سمجھتے تو کسی بھی حال میں حضرت ابو بکر کی بیعت نہ کرتے۔ حضرت ابو سفیان جیسے بارسوخ اور جنگ کے ماہر یہ کہہ رہے ہیں، کہ اے علی! آپ بیعت قبول کرلیں، ضرورت کے وقت ہر طرح کی فوجی قوت سے آپ کی مدد کی جائے گی۔ مگر شیرِ خدا، ابو سفیان کی اس پیش کش کو، اسلام و مسلمین کی مصلحت کے خلاف قرار دیتے ہیں، اسے ایک فریب تسلیم کرتے ہیں، پھر اس فریب میں نہ آنے کے عزم کا اظہار فرماتے ہیں۔

یہ تمام امور کیا اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں کہ حضرت علی نے بیعت سے ہر گز سکوت نہ فرمایا؛ بلکہ صدق دل سے حضرت ابوبکر کی بیعت فرمائی تھی؟

بعض انصاف پسند شیعی مورخین نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت علی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - نے بیعت سے ہر گز سکوت نہ فرمایا۔

چناں چہ مشہور قانون داں، نامور مؤرخ اور بنگال ہائی کورٹ کے پہلے مسلمان جج سید امیر علی اپنی کتاب "The Sprit of Islam" میں رقم طراز ہیں:

(انگریزی سے ترجمہ): "حضرت علی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - نے اپنی اولوالعزمی، دین سے بے حد لگاو اور اپنے نبی کے ماننے والوں کو ہر قسم کے انتشار سے بچانے کے لیے فوراً حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت کی۔ آپ کو تین بار نظر انداز کیا گیا اور آپ نے ہر بار کسی اعراض کے بغیر راے دہندگان کے انتخاب کو صدق دل سے قبول کرلیا۔ آپ نے اپنے کو کبھی بھی خلافت کے لیے امیدوار کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔" [۱]

اس شیعی مؤرخ کی مذکورہ وضاحت سے ہر قسم کے شکوک و شبہات کے بادل چھنٹ جاتے ہیں، اور ان واہی بیانات کی قلعی کھل جاتی ہے جن میں صحابۂ کرام کی عظمت و رفعت کو داغ دار کرنے کی دیدہ و دانستہ کوششیں کی گئی ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر تاریخ الامم والملوک کے حوالے سے حضرت علی کی، حضرت ابوبکر کی بیعت کا حال نقل کردوں۔ جس کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور جسے پڑھ کر ہر منصف مزاج یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گا کہ یہی حق ہے۔ اور یہی بات حضرت مولاے کائنات - کرم اللہ وجہہ الکریم - کے شایان شان ہے۔ علامہ طبری کا بیان ہے:

"عن حبيب بن أبي ثابت قال كان علي في بيته إذ أتي فقيل له قد جلس أبو بكر للبيعة فخرج في قميص ما عليه إزار ولا رداء عجلا كراهية أن يبطئ عنها حتى بايعه، ثم جلس إليه وبعث إلى ثوبه

[۱] ص: ۲۴۰، ۲۴۱، مطبوعہ کراچی، اشاعت ۱۹۸۸

فأتاه فتجلله ولزم مجلسه". [۱]

''حبیب بن ثابت سے روایت ہے کہ حضرت علی اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ حضرت ابوبکر بیعت لینے کے لیے مسجد میں تشریف فرما ہیں، تو حضرت علی بغیر ازار اور چادر کے ایک لمبی قمیص زیب تن کیے ہوئے جلدی سے نکل پڑے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیعت کرنے میں تاخیر ہو جائے۔ بیعت کرنے کے بعد وہیں بیٹھ گئے، کسی آدمی کو کپڑا لانے کے لیے بھیجا، وہ کپڑا لے آیا، آپ نے انھیں پہن لیا، اور اسی مجلس میں تشریف فرما ہو گئے''۔

اس سے قبل بیہقی، حاکم، اور ابن سعد کی یہ روایت گزر چکی کہ حضرت ابوبکر نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کے چہروں پر نظر دوڑائی تو حضرت زبیر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نظر نہ آئے، انھیں بلوایا، وہ آئے تو آپ نے فرمایا: تو نے رسول اللہ -ﷺ- کے چچازاد اور ان کے حواری ہونے کی بات کہہ کر مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا ارادہ کیا؟ انھوں نے جواب دیا: اے رسول اللہ -ﷺ- کے خلیفہ! برا نہ مانیے۔ اس کے بعد اٹھ کر آپ کی بیعت کر لی۔ پھر آپ نے لوگوں کا جائزہ لیا تو آپ کو حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نظر نہ آئے، انھیں بلوایا۔ وہ آئے تو -شکایتی لہجہ میں- فرمایا کہ تو نے رسول اللہ -ﷺ- کے چچازاد اور داماد ہونے کی بات کہہ کر مسلمانوں کو پراگندہ کرنا چاہا ہے، تو آپ نے کہا: اے خلیفۃ الرسول! برا نہ مانیے۔ اس کے بعد آپ نے بھی بیعت کر لی۔

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیر نے بڑے جزم کے ساتھ فرمایا:

"وهذا حق، فإن علي بن أبي طالب لم يفارق الصديق في وقت من الأوقات، ولم ينقطع في صلاة من الصلوات خلفه، وخرج معه إلى ذي القصة لما خرج الصديق شاهرا سيفه يريد قتال أهل الردة". [۲]

---

[۱] تاریخ الامم والملوک، حدیث التقیفہ، ج: ۲، ص: ۲۳۶، مکتبہ شاملہ۔

[۲] السیرۃ النبویۃ، ج: ۴، ص: ۴۹۵۔

"یہی حق ہے؛ کیوں کہ سیدنا علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ایک لمحے کے لیے بھی حضرت صدیق اکبر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے جدا نہ ہوئے، ساری نمازیں آپ کی اقتدا میں ادا کرتے رہے، اور جب مُرتدین کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے حضرت ابو بکر صدیق اپنی تلوار لہراتے ہوئے نکلے تو حضرت علی مرتضی آپ کے ساتھ تھے، اور مقام ذی القصہ تک ساتھ رہے"۔

جو لوگ یہ بیان کرتے نہیں تھکتے کہ "جمعیت نہ ہونے کے سبب شیرِ خدا نے خاموشی اختیار کی" انھیں اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ نبیِ کریم -ﷺ- کی وفات کے بعد حضرت علی، حضور کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت زبیر بن عوام -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- نے بھی حضرت صدیق اکبر کی خلافت پر اجماع کیا۔ اِن حضرات نے اُن سے تنازع نہ کیا۔ اگر حضرت ابو بکر کی خلافت بر حق نہ ہوتی تو حضرت علی و عباس و زبیر - رضی اللہ تعالیٰ عنہم - ضرور اُن سے جھگڑا کرتے۔ جیسا کہ حضرت علی نے حضرت امیر معاویہ کے ساتھ جھگڑا کیا۔ کسے نہیں معلوم کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان صفین کا معرکہ پیش آیا۔

واضح رہے کہ جس وقت حضرت ابو بکر صدیق کو خلیفہ منتخب کیا جا رہا تھا، اس وقت ان کے پاس کوئی فوجی طاقت نہ تھی۔ اس کے بر خلاف حضرت عثمان کی شہادت کے وقت حضرت امیر معاویہ کے پاس زبردست فوجی قوت و طاقت موجود تھی۔ پورے ملک شام پر آپ بلا شرکت غیرے حکمراں تھے۔ مگر حضرت شیرِ خدا نے اُن کی قوت و شوکت کی پروا کیے بغیر ان سے جھگڑا کیا۔ اس لحاظ سے حضرت ابو بکر سے ان کا جھگڑنا زیادہ مناسب تھا۔ آپ کا تنازع نہ کرنا، اس بات پر واضح دلیل ہے کہ آپ حضرت ابو بکر کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے۔ اسی لیے جب حضرت عباس اور حضرت ابو سفیان نے حضرت علی سے بیعت کی خواہش کی تو آپ نے اس بات کو قبول نہ کیا۔

حضرت صدیق اکبر کی خلافت و امامت پر عقلی دلائل

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر بکثرت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صریحہ، صحیحہ اور آثارِ صحابہ ناطق و شاہد ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم ان سب کے ذکر سے صرف نظر کرتے ہیں۔ [۱]

اب یہاں حضرت صدیق اکبر کی خلافت و امامت پر کچھ عقلی دلیلیں پیش کرتے ہیں، جن کی بیناد کسی اصلِ شرع یا بداہت عقل پر ہوگی۔ جن سے اندازہ ہوجائے گا کہ یقیناً نبی کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کے بعد حضرت ابو بکر ہی خلافت کے اصل مستحق تھے۔

(۱) قبول اسلام میں سبقت: اس سلسلے میں بہت سی روایتیں ہیں کہ سب سے پہلے دولت ایمان سے کون سرفراز ہوا؟ علما نے ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بچوں میں حضرت علی، عورتوں میں حضرت خدیجہ، اور آزاد کردہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ -رضی اللہ تعالیٰ عنھم-

مسند بزار و سنن ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

" أَلَسْتُ أَحَقَّ النَّاسِ بِهَا، أَلَسْتُ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ، أَلَسْتُ صَاحِبَ كَذَا، أَلَسْتُ صَاحِبَ كَذَا". [۲]

”کیا میں تم میں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق نہیں؟ کیا مجھے قبول اسلام میں سبقت حاصل نہیں؟ کیا مجھ میں یہ یہ اوصاف نہیں؟“

واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبر نے مجمعِ صحابہ میں یہ ارشاد فرمایا اور کسی صحابی نے

---

[۱] تفصیل کے لیے الصواعق المحرقہ، ازالۃ الخفا، مطلع القمرین اور الحبل الوثیق وغیرہ رسائل کی طرف رجوع کریں۔

[۲] مسند البزار، ج:۱ص: ۹۴، رقم: ۳۵۔ الترمذی، رقم: ۳۶۶۷، ج:۵، ص:۶۱۱، باب مناقب ابی بکر و عمر۔

اس سے انکار نہ کیا جس سے صحابہ کا آپ کی ذات پر اجماع اور آپ کا مستحق خلافت ہونا ظاہر ہے۔

(۲) عمر بھی باعث تقدیم ہے۔ جیسا کہ مسئلہ امامت میں یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ اگر بہت سے لوگ قراءت، مسائل نماز کی معلومات اور تقویٰ وطہارت وغیرہ میں مساوی ہوں اور ان میں کوئی اور وجہ ترجیح نہ ہو تو جو شخص ان تمام اوصاف کے ساتھ زیادہ عمر والا ہو؛ اسے امام مقرر کیا جائے۔ اسی طرح مسئلہ دائرہ میں حضرت علی کے فضائل و مناقب مسلم؛ مگر شیخین و عثمان اصحاب فضیلت ہونے کے ساتھ ساتھ اُن سے عمر کے لحاظ سے بھی بڑے تھے؛ لہذا وہ خلافت کے زیادہ مستحق ہوئے۔

(۳) نبی کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کا ارشاد پاک ہے:

"الْخِلاَفَةُ بَعْدِي ثَلاَثُونَ سَنَةً". [۱]

"میرے بعد خلافت [بر منہاج نبوت] کی مدت ۳۰ سال ہے"۔

اگر خلفاے ثلثہ کی خلافت برحق نہ ہو تو لازم آئے گا کہ مدت خلافت محض چار پانچ سال رہی، حالاں کہ نہ اس کا کوئی قائل ہے، اور نہ ہی یہ بیان، حدیث کے مطابق ہے۔

(۴) نبی کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے ۹ ہجری میں حج کی ادائگی کے لیے حضرت ابو بکر صدیق کو امیر الحج مقرر فرمایا، اسی درمیان سورۂ براءت کا نزول ہوا، حضور نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ حج کے لیے جائیں اور میدان عرفات میں لوگوں کے مجمع میں یہ سورہ سب کو پڑھ کر سنادیں۔ مقام عرج (اور ایک قول کے مطابق مقام دجنان) پر حضرت علی کی، حضرت ابو بکر سے ملاقات ہوئی، نماز فجر کے لیے تکبیر ہونے ہی والی تھی کہ حضرت علی کی آمد ہوئی، حضرت ابو بکر نے دریافت کیا: أمير أو مأمور؟ آپ قافلے کے امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا مامور؟ سیدنا علی نے جواب دیا: لا، بل مأمور، یعنی امیر آپ ہی ہیں، میں تو مامور بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر راستے میں مولیٰ علی نے اپنی آمد کی وجہ بتائی۔ حج کے دنوں میں حضرت ابو بکر خطبہ دیتے، لوگوں کو حج کے مسائل بتاتے، اس کے بعد مولیٰ علی سورہ براءت کی تلاوت فرماتے؛ حضرت

---

[۱] ابن حبان، رقم: ۶۹۴۳، ج: ۱۵، ص: ۳۹۲، مسند بزار، رقم: ۳۸۲۸، ج: ۹، ص: ۲۸۰

علی نے حضرت ابوبکر کی امارت میں حج ادا کیا، اور ان کی اقتدا میں نمازیں ادا کیں۔ [۱]

اس واقعے سے پتا چلا کہ حضور نبیِ اکرم -ﷺ- اپنی ظاہری حیات ہی میں حضرت ابوبکر کو اپنی خلافت کا مستحق سمجھتے تھے۔ ورنہ جب آپ نے حضرت علی کو روانہ فرمایا تو یہ حکم بھی دے سکتے تھے کہ علی ہی امیر الحج ہوں گے۔

(۵) حضور ﷺ کا، حضرت صدیق اکبر کو نماز کے لیے آگے بڑھانا:

حضور اکرم ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف دو حضرات کی اقتدا کی۔

تقی الدین احمد بن علی المقریزی [م: ۸۴۵] فرماتے ہیں:

" نبیِ کریم -ﷺ- نے حضرت ابوبکر کے سوا، کسی امتی کی اقتدا میں نماز ادا نہیں کی، سوائے ایک دفعہ سفر کی حالت میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتدا میں، ایک رکعت -نماز فجر- ادا فرمائی تھی"۔ [۲]

اور بہ کثرت احادیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ وفات سے قبل، حالت علالت میں حضور -ﷺ- نے حکم بھیجا: مروا ابا بکر فلیصل بالناس. یعنی ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ بلکہ جب حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ نے حضرت عمر کا نام لیا تو حضور ناراض بھی ہوئے۔

حضرت صدیق اکبر کے خلیفۂ برحق ہونے کے لیے اس سے روشن دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ امام الانبیا -ﷺ- نے ایک بار نہیں بلکہ بار بار حکم دیا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

علامہ ابن اثیر جزری، حضرت حسن بصری سے راوی ہیں کہ حضرت علی مرتضی -رضِی اللہ تعالیٰ عنہ- نے فرمایا:

" قدَّم رسول الله - ﷺ- أبا بكر ، فصلى بالناس وأنا حاضر

[۱] دلائل النبوۃ، ج:۵، ص:۲۹۵

[۲] امتناع الاسماع، ج۱۴ص۴۵۹، دار الکتب العلمیہ

غير غائب ، وصحيح غير مريض، ولو شاء أن يقدمني قدمني، أفلا نرضى لدنيانا من رضيه رسول الله -ﷺ- لديننا ؟" [۱]

"اللہ کے رسول -ﷺ- نے حضرت ابوبکر کو مقدم فرمایا، اور انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اس وقت میں بھی وہاں موجود ہوتا، غیر حاضر نہ ہوتا۔ میں صحت مند تھا، بیمار بھی نہ تھا، اگر حضور مجھے مقدم کرنا چاہتے تو مقدم فرما دیتے۔ [لیکن ایسا نہیں کیا] اس لیے جس ذات کو اللہ کے رسول نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا؛ ہم اس کو اپنی دنیا کے لیے کیوں پسند نہ کرتے ؟"

(۶) نبی -ﷺ- نے اپنی وفات سے دو روز قبل فرمایا:

"سُدُّوا عَنِّي كُلَّ خَوْخَةٍ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ أَبِي بَكْرٍ - رضى الله تعالىٰ عنه -". [۲]

"اس مسجد میں ابوبکر کے دریچے کے علاوہ تمام دریچے بند کر دیے جائیں"۔

اس حدیث سے بھی خلافت صدیقی کے جانب واضح اشارہ پایا جاتا ہے۔ اسی لیے ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ رسول اللہ -ﷺ- کے بعد حضرت ابوبکر خلیفہ ہوں گے۔ [۳]

(۷) خلافت صدیقی کے زمانے میں تمام صحابۂ کرام آپ کو " خليفة رسول الله" ہی کہا کرتے تھے۔ آپ کے علاوہ کسی خلیفہ کو اس نام سے یاد نہ کیا گیا۔ اگر آپ کی خلافت برحق نہ ہوتی تو تمام صحابہ آپ کو اس نام سے یاد نہ کرتے۔

(۸) رسول اللہ -ﷺ- کا ارشاد ہے:

"اقتدوا بالذين من بعدي ابي بكر وعمر". [۴]

---

[۱] حدائق الانوار و مطالع الاسرار، ج:۱ ص:۴۰۳۔ تاریخ الخمیس، ج:۲، ص: ۱۶۴۔
[۲] صحیح ابن حبان مع حواشی ارناؤوط، ج: ۱۵، ص: ۲۷۶، مکتبہ شاملہ۔
[۳] ملاحظہ ہو صحیح ابن حبان مع حواشی ارناؤوط، ج: ۱۵، ص: ۲۷۶، مکتبہ شاملہ۔
[۴] المعجم الاوسط، باب من اسمہ علی، ج:۴، ص: ۱۴۰، مکتبہ شاملہ۔

''میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتدا کرنا''۔

اگر حضرت ابو بکر و عمر خلافت کے مستحق اور امام و مقتدیٰ نہ ہوں تو اِس ارشاد رسول کا مفہوم ہی متعیّن نہ ہو سکے گا؛ اس لیے کہ اقتدا ہمیشہ امام و مقتدا کی، کی جاتی ہے، نہ کہ مقتدِی کی۔

(۹) بلوائیوں نے جب حضرت عثمان کا محاصرہ کرکے اُن کا پانی بند کر دیا اور حضرت علی کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے تین بھرے ہوئے مشکیزے حضرت عثمان کی طرف بھیجے۔ پھر جب آپ کو یہ خبر ملی کہ فسادی، حضرت عثمان کو قتل کرنا چاہتے ہیں، تو آپ نے حضرت حسن و حسین کو حکم دیا کہ اپنی تلواریں لے کر حضرت عثمان کے دروازے پر کھڑے ہو جائیں اور کسی کو اندر داخل نہ ہونے دیں۔ اس دفاع میں حضرت حسن خون سے لت پت ہو گئے اور حضرت علی کے غلام قنبر کے سر میں چوٹ آئی۔ پھر جب حیلے سے حضرت عثمان شہید کر دیے گئے اور مولیٰ علی نے یہ منظر ملاحظہ فرمایا تو اتنے سخت ناراض ہوئے کہ حضرت امام حسن کو ایک تھپڑ رسید کیا، اور حضرت امام حسین کے سینے پر ضرب لگائی۔

اِس عظیم سانحے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی، حضرت عثمان کی خلافت کو بر حق سمجھتے تھے؛ کیوں کہ اگر ان کی خلافت کو بر حق تسلیم نہ کرتے تو اُن کے لیے نہ پانی کا انتظام کرتے، نہ اُن کی حفاظت کے لیے اپنے جگر گوشوں کو متعیّن کرتے۔ اور نہ شہادت کے بعد حضرات حسنین کو ضرب لگاتے۔ اگر نبی -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کے بعد آپ اپنے آپ کو خلافت کا اصل مستحق سمجھتے تو اس سے بہتر اور مناسب موقع کیا ہو سکتا تھا کہ آپ حضرت عثمان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیتے، بلکہ الٹے بلوائیوں کو بھڑکا دیتے کہ وہ اُن کا کام تمام کر دیں۔ مگر شیرِ خدا کی شان سے یہ سب بہت ہی بعید ہے۔

بہر حال اس سے حضرت عثمان کی خلافت کا حق ہونا ثابت ہوا۔ حضرت عثمان کی خلافت حضرت عمر کی خلافت کی فرع ہے۔ اور حضرت عمر کی خلافت کے حق ہونے پر کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ ہر صاحب عقل کو معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر کی خلافت کے حق

ہونے سے حضرت عمر کی خلافت کی حقیت لازم آتی ہے۔ اور حضرت ابو بکر کی خلافت اجماع صحابہ اور نصوصِ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

(۱۰) حضرت ابو بکر و عمر -رضی اللہ عنہما- رشتے میں نبیِ کریم -ﷺ- کے خسر ہیں۔ اور حضرت عثمان و علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- داماد۔ ہر شخص جانتا ہے کہ خسر باپ کے مرتبے میں ہوتا ہے، اور داماد بیٹے کے مثل۔ اور باپ کو بیٹے پر جو تقدم حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس لحاظ سے بھی حضرت ابو بکر و عمر کا، حضرت عثمان و علی پر مقدم ہونا واضح ہے۔

(۱۱) رسول اللہ -ﷺ- سے والہانہ لگاؤ: علما کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نبی -ﷺ- پر ایمان لانے کے بعد آپ کی وصال تک حضرت ابو بکر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے، سوائے اس کے کہ آپ کے حکم اور اجازت سے کسی غزوہ یا حج میں شرکت کے سبب صحبتِ نبی سے دور رہے ہوں۔ خدا و رسول کی رضا کے لیے اہل و عیال کو چھوڑ کر حضور کے ساتھ ہجرت فرمائی، غارِ ثور میں آپ کے ساتھ رہے جیسا کہ ارشاد ہے:

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا۔ [۱]

ذہن نشین رہے کہ حضور کی معیت میں ہجرت کا شرف، صرف حضرت ابو بکر صدیق کو حاصل ہے۔ اس معاملے میں کوئی اور صحابی آپ کا شریک نہیں۔

ایک شبہہ کا ازالہ

بعض کوتاہ نظر لوگوں نے حدیث رسول: ”من کنت مولاہ فعلی مولاہ“ سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث، حضرت علی کی خلافت کے بارے میں نص ہے، اور حضور نے یہ ارشاد فرما کر حضرت علی مرتضی کی خلافت کے بارے میں اعلان فرمایا ہے۔

حالاں کہ ان کا یہ استدلال بے معنی ہے۔ اہل حق کے نزدیک قابل اعتنا نہیں۔ اس کی متعدّد وجہیں ہیں:

---

[۱] التوبۃ، الآیۃ: ۴۰

پہلی وجہ یہ ہے کہ لفظ ''مولی'' مشترک ہے۔ اور مشترک کے کسی خاص معنی کی تعیین کے لیے دلیل و قرینے کی ضرورت ہے۔ اور یہاں ایسی کوئی دلیل اور کوئی قرینہ موجود نہیں جس سے تمام معانی کو رد کر کے ''خلیفہ'' کے معنی میں اس کو متعیّن کیا جا سکے۔ اس لیے کہ اس موقع پر کسی نے صراحتًا، یا اشارتًا، سیدنا علی کی خلافت کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا۔ لہذا اس سے حضرت علی کی خلافت ثابت کرنا قطعًا ناروا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے بارگاہ رسالت میں یہ شکایت کی کہ حضرت علی نے مجاہدین کے ساتھ سختی کا معاملہ برتا، انھیں احرام کے لیے کپڑے نہ دیے، جب کہ مالِ غنیمت میں کپڑوں کے کئی تھان موجود تھے، اس قسم کی کئی اور شکایتیں کی گئیں۔ حضور رحمت عالم - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - نے انہی شکایت کا ازالہ کرنے اور حضرت علی کی امانت و دیانت کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالاتر ثابت کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا، تاکہ لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ یہاں خلافت کا موضوع زیر بحث تھا ہی نہیں کہ اس پر گفتگو ہو۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور ابن حبان، ابن شیبہ، طحاوی، نسائی، اور بزار وغیرہ نے روایت کی کہ حضور نے ''غدیر خم'' کے مقام پر صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

" ألستم تعلمون اني أولى بالمؤمنين من أنفسهم؟ قالوا: بلى، قال : ألستم تعلمون اني أولى بكل مؤمن من نفسه؟ قالوا: بلى، قال: فأخذ بيد علي فقال: من كنت مولاه فعلي مولاه، اللهم وال من والاه وعاد من عاداه". [١]

''کیا تم یہ نہیں جانتے، اور کیا تم اس بات کے گواہ نہیں کہ میں ہر مومن سے اس کی جان سے زیادہ قریب ہوں؟ سب نے عرض کیا: حضور نے بجا فرمایا۔ حضور نے فرمایا: جس کا میں مددگار اور دوست ہوں، علی بھی اس کے مددگار اور دوست ہیں۔ اے اللہ! جو، ان کو دوست بناتا ہے، اس کو تو بھی اپنا دوست بنا۔ اور جو اِن سے عداوت کرتا ہے، تو بھی

---

[١] مسند احمد، ج:٤، ص: ٢٨١، رقم: ١٨٥٠٢، مکتبہ شاملہ۔

اس سے عداوت کر"۔

دوسری وجہ: اس ارشاد کے خلافت سے متعلق، نص نہ ہونے کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ سیدنا علی شیرِ خدا نے کسی وقت بھی اپنی خلافت کو ثابت کرنے کے لیے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ اگر اس حدیث کا وہی مفہوم ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے تو حضرت علی اس ارشاد نبوی سے ضرور استدلال کرتے اور خلافت کے بارے میں نزاع کرتے۔ خصوصًا اس لیے کہ ان کے ساتھ حضرت زبیر، حضرت عباس، حضرت ابو سفیان جیسے بہادر اور جری اور بنی ہاشم وغیرہ بھی تھے۔ اور جب صحابۂ کرام اپنے آقا کا یہ فرمان عالی شان سنتے کہ حضرت علی حضور کے خلیفہ ہیں، تو وہ کسی اور شخص کو ہرگز خلیفہ نہ بناتے۔

آپ کا اپنی خلافت ثابت کرنے کے لیے کبھی بھی اس حدیث سے استدلال نہ کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہاں "مولیٰ" کے معنی خلیفہ نہیں، بلکہ ناصر، محب اور دوست کے ہیں۔

تیسری وجہ: نبیِ رحمت -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی حیات ظاہری میں ایک روز حضرت عباس نے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ آپ بارگاہ رسالت میں خلافت کے بارے میں عرض کریں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ حضور کے بعد منصب خلافت پر کون فائز ہوگا؟ حضرت علی نے جواب دیا: میں اس بارے میں ہرگز استفسار نہ کروں گا؛ کیوں کہ اندیشہ ہے کہ اگر خلافت کا مطالبہ کروں اور حضور مجھے اپنا خلیفہ مقرر نہ فرمائیں تو پھر ہمیشہ کے لیے ہم اس منصب سے محروم کر دیے جائیں گے۔ [۱]

اگر غدیر خم والی حدیث سے خلافتِ علی کا اعلان مقصود ہوتا اور حضرت علی خلیفہ مقرر کر دیے گئے ہوتے تو پھر حضرت عباس یہ مشورہ کیوں دیتے اور حضرت علی ان کے مشورے کو مسترد کیوں فرما دیتے؟ لہذا شیعہ نواز حضرات کا یہ کہنا کہ صحابہ کو اس نص کا علم تھا، لیکن انھوں نے جان بوجھ کر اس کی پیروی سے انکار کر دیا، یا یہ کہنا کہ حضرت علی نے بطور

[۱] العواصم من القواصم، ج۱، ص ۱۹۴، دار الجیل۔

تقیہ خاموشی اختیار کی، خرافات و واہیات ہے۔

اور کیا حضرت شیرِ خدا اتنے خائف تھے کہ نبیِ کریم ۔ﷺ۔ کے اس واضح ارشاد کو بیان کرنے کی بھی ہمت جٹا نہ سکے؟ شیرِ خدا کی ذات اس قسم کے الزامات سے مبرا و منزہ ہے۔ کوئی بھی صاحب ایمان، سید السادات اور تمام بہادروں کے سردار، حضرت شیرِ خدا کے بارے میں اس قسم کی بزدلی اور منحوس تقیہ کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ شیرِ خدا کی شجاعت، بے مثال قوت، اور اعوان و انصار کی کثرت اس بات کی متحمل نہیں کہ آپ اپنے آقا کے ایک سچے اعلان کو کسی کی مخالفت کے خوف سے چھپا لیں۔

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ جب ثقیفۂ بنی ساعدہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان اختلاف رونما ہوا کہ حضور کا خلیفہ کون ہو گا؟ تو اس سنگین اور پُر خطر صورت حال کے باوجود سیدنا صدیق اکبر نے پورے عزم و حوصلے کے ساتھ اپنے آقا کے اس ارشاد کا مجمعِ عام میں اعلان کر دیا:

”الائمة من قریش“ [۱] یعنی حضور کا خلیفہ، قریشی ہی ہو سکتا ہے۔

تو اس وقت تمام مہاجرین و انصار نے اس ارشاد نبوی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ کسی نے اُف تک نہ کی۔ اور حضرت علی شیرِ خدا تو قوت و شوکت، شجاعت و بسالت اور نفری تعداد کے لحاظ سے اُن سے کہیں بڑھ کر تھے، اگر اُن کے پاس کوئی نص ہوتی تو وہ جھگڑنے اور قبولیت کے زیادہ حق دار تھے، اس حدیث کا اعلان کر کے اپنی خلافت پر دلیل لاتے اور صحابہ کرام بلا چوں چرا آپ کی خلافت تسلیم کر لیتے۔

ایسے اہم اور نازک موقعے پر سیدنا شیرِ خدا کا جان بوجھ کر خاموشی اختیار کرنا اور اپنی خلافت کی اس اٹل دلیل کو بیان نہ کرنا اس حقیقت کی نا قابل تردید دلیل ہے، کہ اس حدیث کا مقصد حضرت علی کی خلافت کا اعلان ہر گز نہیں۔ بلکہ ان کے پاک دامن سے غلط الزامات و اتہامات کو زائل کرنا تھا۔

---

[۱] مسند امام احمد، رقم: ۱۲۳۲۹۔

یہی وجہ ہے کہ کسی نے حضرت حسن مثنیٰ سے دریافت کیا کہ حدیث: ”من کنت مولیٰ فعلی مولاہ“ کیا حضرت علی -کرم اللہ وجہہ- کی امامت وخلافت کے لیے نص ہے؟

تو آپ نے فرمایا: اگر اس سے حضرت علی کی امامت و خلافت کو ثابت کرنا مقصود ہوتا تو حضور -ﷺ- یوں فرماتے:

”يا أيها الناس ! هذا وال بعدي والقائم عليكم بعدي فاسمعوا له واطيعوا، ووالله لو كان رسول الله -ﷺ- عهد إليه في ذلك ثم تركه كان أعظم خطيئة“. [۱]

”اے لوگو! میرے بعد یہ -علی- تمھارے والی ہوں گے، تمھارے امور کے منتظم ہوں گے، ان کا حکم سننا اور ان کی اطاعت کرنا۔ خدا کی قسم! اگر رسول اللہ -ﷺ- نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا ہوتا اور آپ نے اس خلافت کا مطالبہ کرنے سے اجتناب کیا ہوتا تو یہ حضرت علی کی سب سے بڑی غلطی ہوتی“۔

قارئین غور فرمائیں! یہ خاندان نبوت کی عظیم القدر شخصیت، حضرت امام حسن کے صاحبزادے، مولی علی کے پوتے حضرت حسن مثنی کا بیان و اعتراف ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی دلیل کی حاجت ہے؟ اور کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ جمعیت نہ ہونے کے سبب حضرت علی نے خاموشی اختیار کی۔ للہ انصاف درکار ہے۔

حضرت علی کا فیصلہ کُن بیان:

اب ذیل میں حضرت علی کا فیصلہ کُن بیان درج کیا جاتا ہے، جس سے استحقاق خلافت کا مسئلہ بخوبی واضح ہوجائے گا:

دار قطنی نے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ -ﷺ- سے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم پر خلیفہ مقرر فرما دیجیے۔ فرمایا: نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی بھلائی چاہی

[۱]　السیرۃ الحلبیہ، ج: ۳، ص: ۳۴۰، باب ذکر عمرہ ﷺ، مکتبہ شاملہ

توتم میں سے بہترین آدمی کو مقرر کردے گا، حضرت علی -رضِی اللہ تعالیٰ عنہ- کہتے ہیں کہ آپ بہترین آدمی کو جانتے تھے، تواللہ تعالیٰ نے ابو بکر -رضِی اللہ تعالیٰ عنہ- کو خلیفہ بنادیا۔ [۱]

ابن عساکر اور ذہبی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت علی بصرہ گئے توآپ کے پاس دو آدمیوں نے آکر کہا کہ آپ ہمیں اپنے اس سفر کے متعلق بتائیں، کیا یہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ آپ اُمرا اور امت پر غالب آنا چاہتے ہیں، جو ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں؟ کیا رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے آپ سے کوئی عہد کیا ہے؟ آپ اسے ہمارے پاس بیان کیجیے، کیوں کہ آپ ہمارے نزدیک قابل اعتبار آدمی ہیں۔

آپ نے فرمایا: اگر اس بارے میں رسول کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی کوئی وصیت میرے پاس ہوتی تو قسم بخدا! میں ان کا پہلا تصدیق کرنے والا ہوں، اب میں ان کا پہلا جھٹلانے والا نہیں بننا چاہتا۔ اگر میرے پاس آپ کی کوئی وصیت ہوتی تو میں بنی تیم بن مرہ کے بھائی [یعنی ابوبکر صدیق] اور عمر بن خطاب کو آپ کے منبر نہ چڑھنے دیتا۔ اگر میرے پاس اس چادر کے سوا کچھ نہ ہوتا تب بھی میں ان دونوں سے جنگ کرتا۔ لیکن رسول کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نہ قتل ہوئے اور نہ اچانک فوت ہوئے، وہ کئی شب و روز بیمار رہے، بلال یا کوئی دوسرا مؤذن آکر آپ کو نماز کی اطلاع دیتا تو آپ ابو بکر -رضِی اللہ تعالیٰ عنہ- کو نماز پڑھانے کا حکم دیتے، آپ کو میرے مقام و مرتبے کا بھی علم تھا، بلکہ آپ کی ایک بیوی نے چاہا کہ آپ کی توجہ حضرت ابوبکر سے پھیر دے، تو آپ نے انکار کیا، اور برافروختہ ہوکر فرمایا کہ تم تو یوسف والیاں ہو، ابوبکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا وصال ہو گیا تو ہم نے اپنے امور پر غور کیا اور اپنی دنیا کے لیے اس شخص کو پسند کرلیا جس کو حضور -علیہ الصلاۃ والسلام- نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تھا، نماز اسلام کا ایک بڑا رکن اور دین کا قوام ہے۔ ہم نے ابو بکر کی بیعت کرلی، اور آپ اس کے اہل تھے۔ اور ہم میں سے دو آدمیوں نے بھی اس پر اختلاف نہیں

[۱] الصواعق المحرقہ مترجم، باب اول، ص:۱۳۰، کتب خانہ امجدیہ دہلی۔

کیا۔ میں نے ابوبکر کو ان کا حق دے دیا، ان کی اطاعت کی، ان کی فوج میں ان کے ساتھ ہو کر لڑا، وہ جو مجھے دیتے تھے، میں لے لیتا تھا، جب جنگ کو کہتے تو میں جنگ کرتا، ان کی موجودگی میں اپنے کوڑے سے حدود لگاتا۔

جب آپ فوت ہوئے تو آپ نے عمر کو خلافت دی، انھوں نے اپنے صاحب کی سنت اور حکم پر عمل کیا، پس ہم نے عمر کی بیعت کرلی، اور ہم میں سے دو آدمیوں نے بھی اس پر اختلاف نہیں کیا، میں نے ان کا حق ادا کیا، ان کی اطاعت کی اور ان کی فوج میں ان کے ساتھ ہو کر لڑا۔ جب وہ مجھے دیتے میں لے لیتا، جب جنگ کو کہتے جنگ کرتا، اور آپ کی موجودگی میں اپنے کوڑے سے حدود لگاتا۔

جب آپ فوت ہوئے تو مجھے اپنی قرابت، سبقت اور فضیلت کا خیال آیا، اور میں خیال کرتا تھا کہ کوئی میرا ہم پلہ نہ ہوگا، مگر وہ [حضرت عمر] ڈرا کہ خلیفہ آپ کے بعد کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اسے قبر میں بھی اذیت ہو، تو اس نے اپنے نفس اور بچوں کو اس سے نکال دیا، اگر خلافت محبت کے باعث ہوتی تو وہ اپنے بچوں کو ترجیح دیتا، اپنے قبیلے کا خیال کرتا۔ مجھے خیال ہوا کہ وہ میرا مقابلہ نہ کرسکیں گے، عبدالرحمن بن عوف نے ہم سے اس بات کا عہد لیا کہ جسے خلیفہ بنایا جائے گا، ہم اس کی سمع و اطاعت کریں گے۔

پھر انھوں نے عثمان کی بیعت کرلی۔ میں نے دیکھا کہ میری اطاعت میری بیعت سے سبقت لے گئی ہے اور میرا والا میثاق کسی اور کے لیے لیا جارہا ہے؛ تو ہم نے عثمان کی بیعت کرلی۔ میں نے ان کا حق ادا کیا، ان کی اطاعت کی اور ان کے ساتھ ہو کر جنگ کی۔ جب وہ مجھے دیتے؛ میں لے لیتا، جب جنگ کا کہتے؛ جنگ کرتا، اور آپ کی موجودگی میں اپنے کوڑے سے حدود لگاتا۔

جب آپ فوت ہوگئے تو میں نے دیکھا کہ وہ دو خلفا جنھیں رسول کریم ﷺ نے نماز پڑھانے کی وصیت کی تھی؛ وفات فرما چکے، اور یہ خلیفہ جس سے میثاق نے پیوند کیا، وہ بھی گزر چکا ہے، تو اہل حرمین اور کوفہ اور بصرہ کے لوگوں نے میری بیعت کرلی۔ تو ایک

آدمی بیچ میں ٹپک پڑا، جو نہ میرا ہمسر ہے اور نہ اس کی قرابت میری طرح ہے، نہ اس کا علم میری طرح ہے۔ اور وہ نہ میری طرح سابق فی الاسلام ہے اور میں اس سے زیادہ خلافت کا حق دار ہوں۔ یعنی معاویہ سے۔ [۱]

اب اس باب کے اخیر میں مسند امام احمد بن حنبل سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے، جس سے خلافت ابو بکر کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم -ﷺ- نے ایک مرتبہ حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر سے فرمایا:

" میرے پاس ایک تختی لاؤ، اس پر میں ابو بکر کے بارے میں لکھ دوں؛ تاکہ اس کے ساتھ کوئی اختلاف نہ کرے۔" پھر فرمایا:

" أَبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُونَ أَنْ يُخْتَلَفَ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ ". [۲]

"اے ابو بکر! اللہ تعالیٰ اور ایمان والے اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ تمھارے بارے میں کوئی اختلاف کیا جائے"۔

الحمد للہ، ہماری اب تک کی گفتگو سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ہی نبی پاک -ﷺ- کی خلافت و جانشینی کے اصل مستحق ہیں، آپ تمام صحابہ میں سب سے افضل ہیں، یہی وجہ ہے کہ عامۂ صحابہ نے باتفاق رائے آپ کو خلیفہ منتخب کیا، جن میں مولیٰ علی، حضرت عباس، ابن عباس، وغیرہ اکابر بنی ہاشم بھی شامل ہیں۔ اور اس گم راہ کن نظریے کی کما حقہٗ تردید ہو گئی کہ:

"خلافت کے اصل مستحق حضرت علی تھے؛ لیکن جمعیت حضرت ابو بکر کے ساتھ تھی، اس لیے حضرت علی نے خاموشی اختیار کی"۔ فالحمد لله على ذلك.

★ ★ ★ ★ ★ ★

[۱] تاریخ الاسلام للذہبی، ج:۳، ص:۶۴۰-۶۴۲، دار الکتاب العربی۔ تاریخ الخلفا، ص:۱۵۷، مطبعۃ السعادہ، مصر

[۲] مسند احمد، ج:۶، ص:۴۷، حدیث السیدۃ عائشۃ، رقم:۲۴۲۴۵، مکتبہ شاملہ

باب سوم

اس گم راہ کن نظــریہ کی تردید کہ:

نبی پاک - ﷺ - کے وصال پر صحابہٗ کرام کو جانشینی کی فکر دامن گیر تھی، اور حضور - ﷺ - کی کسی کو کچھ پروا نہ تھی؛ اس لیے تدفین میں تاخیر ہوئی۔

آقاے دوعالم - ﷺ - نے ارشاد فرمایا کہ:

إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّـونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا : لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ.

[سنن الترمذی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ج: ۶، ص: ۱۸۰، رقم: ۳۸۶۶]

جب میرے صحابہ کو برا بھلا کہنے والوں کو دیکھو تو ان سے کہو کہ تمھاری پیدا کردہ شرارت پر اللہ کی لعنت ہو۔

باب سوم

عظمتِ صحابہ کرام- رضی اللہ تعالیٰ عنہم -

اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے صحابۂ کرام -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- کی جماعت کو اپنے نبی کی نصرت اور شریعت کی حفاظت کے لیے منتخب فرمالیا۔ انھیں آپ کی سنت کا امین قرار دیا۔ اور ان کے دلوں کو اخلاص سے بھر دیا۔ چناں چہ انھوں نے اسلام کی سر بلندی کے لیے اپنی جان، مال، اہل و عیال اور وطن کو راہِ خدا میں قربان کر دیا۔ غزوات میں شرکت کی، قتل ہوئے، مال خرچ کیا، ہجرت کی، اور اپنی جان و اولاد سے بڑھ کر نبی -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- سے محبت کی، ان کی اطاعت کی، اور اگر کبھی ادنیٰ سی لغزش سرزد ہو گئی تو اللہ کے حضور توبہ و استغفار میں سبقت کی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ عزوجل نے صحابہ کی تعریف فرمائی، اور ان کی کوتاہیوں سے در گزر فرمایا اور انھیں ”رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ“ کا طمغہ عطا کیا، ان سے جنت کا وعدہ فرمایا، اور رسول خدا -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے انھیں جنت کی خوش خبری دی۔

اہل سنت کے نزدیک انبیا و ملائکہ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، ہم صحابۂ کرام کو بھی معصوم تو نہیں مگر گناہوں سے محفوظ ضرور مانتے ہیں۔ اس لیے کہ نبیِ کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے انھیں اپنی امت کا امین قرار دیا، انھیں منارۂ ہدایت بتایا، اور ان میں سے کسی ایک کی اقتدا کرنے والے کو ہدایت یافتہ فرمایا۔

کمال ایمان، اتباع نبی، اور ایثار و اخلاص نے انھیں اس مقام پر پہنچا دیا جہاں پر کوئی برائی اثر انداز نہیں ہو سکتی: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ [ھود، آیت: ۱۱۴] خصوصًا وہ لغزشیں جو اجتہاد کا ثمرہ ہیں، کہ مجتہد کو غلطی پر بھی ایک گنا ثواب ملتا ہے۔

یہی عقیدہ جمہور اہل سنت و جماعت کا ہے۔ اسی لیے جرح و تعدیل کے ماہر ائمہ نے بھی صحابۂ کرام کی ذوات کو نقد و جرح سے بالاتر سمجھا، اور ان کے بارے میں کسی قسم کی لب کشائی نہیں کی۔

ہاں! جب نئے نئے فرقوں اور فتنوں نے جنم لیا تو وہ اپنے باطل مذاہب کی ترویج و اشاعت میں افراط و تفریط کا شکار ہو گئے، روافض، حضرت ابو بکر و عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- کی تفسیق بلکہ تکفیر کرنے لگے، بلکہ گنتی کے چند صحابہ کو چھوڑ کر بقیہ سب کو مرتد قرار دیا، تو خوارج، حضرت عثمان و علی، امیر معاویہ، عمرو بن عاص وغیرہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- کی تفسیق و تکفیر کی جسارت کرنے لگے۔ شیعہ اپنے ائمہ کو معصوم ماننے لگے۔ امامیہ میں سے ایک فرقہ الکاملیہ نے حضرت ابو بکر و عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- سے جنگ نہ کرنے کے سبب حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کو ہی کافر قرار دیا۔ نعوذ باللہ!

اِن باطل فرقوں نے اپنے مذہب نامہذب کی ترویج میں غلو و تعصب، افراط و تفریط اور کذب و خیانت سے کام لیا، یہاں تک کہ فرقۂ رافضیہ حقیقت سے اس قدر دور ہو گیا کہ قرآن کریم میں تبدیل و تحریف کا قائل ہو گیا۔ لیکن جو لوگ اس غلو و عصبیت کے قید و بند سے آزاد ہو کر غور و فکر کرتے ہیں ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ:

قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ، دلائل قاطعہ، اور علمائے امت و مجتہدین ملت کے اجماع و اتفاق، عقلا کی تائید و توثیق اور محققین منصفین کے انصاف نے اس بات کا فیصلہ کر دیا **کہ تمام صحابہ عادل، امین، اور خیر امت تھے، کوئی غیر صحابی کسی ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔** اللہ رب العزت نے انھیں امت وسط اور خیر امت فرمایا، تو اللہ کے رسول نے "خیر القرون قرنی" فرما کر ان کے خیر ہونے کی شہادت دی۔ اور صحابہ پر طعن کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔

علما فرماتے ہیں کہ صحابۂ رسول کی تعظیم اور ان پر طعن کرنے سے بچنا واجب ہے۔ اور ان میں جو باتیں بظاہر طعن کی صورت میں نظر آتی ہیں، ان کی تاویل لازم و واجب ہے۔

امام ابو زرعہ عراقی کہتے ہیں:

"جب تم کسی کو اصحاب رسول کی تنقیص کرتا دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے۔ اس

لیے کہ قرآن وسنت اور جو کچھ ان میں آیا ہے، سب برحق ہے۔ اور یہ تمام چیزیں ہم تک صحابہ کے ذریعہ پہنچی ہیں۔ جو شخص ان کو برا کہتا ہے، وہ کتاب وسنت کو باطل قرار دیتا ہے، لہذا ایسے شخص کو برا کہنا اور اس پر گم راہی اور زندیق ہونے کا حکم لگانا زیادہ مناسب اور صحیح ہے"۔ [۱]

ایک جانب اہل سنت وجماعت کے یہ متفقہ عقائد ونظریات ہیں، تو دوسری جانب آج پندرہویں صدی ہجری میں غلو وافراط کے شکار، اہل سنت سے بے زار اور اہل تشیع کے راز دار، کچھ عاقبت نا اندیش حضرات نے سنیت کا لبادہ اوڑھ کر جماعت صحابہ پر طرح طرح سے افتراءات کرنا شروع کر دیا ہے۔ اِن نفوس قدسیہ پر طعن وتشنیع کے تیر برسانے لگے ہیں، اور بے سروپا حکایات وواقعات کے بل بوتے ان پر زبان طعن دراز کرنے لگے ہیں، جن کا دوسری اور تیسری صدی ہجری میں دور دور تک وجود تک نہ تھا۔ انھیں الزامات اور بہتان طرازیوں میں یہ گم راہ کن نظریہ بھی ہے کہ:

نبی پاک -ﷺ- کے وصال پر صحابہ کرام کو جانشینی کی فکر دامن گیر تھی اور حضور -ﷺ- کی کسی کی پروانہ تھی، اس لیے تدفین میں تاخیر ہوئی۔

صراط مستقیم پر گامزن شخص کو اِن کی باتوں پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں، یہ واقعات کو غلط رنگ دیا جا رہا ہے۔ ایک منصف مزاج شخص کے لیے یہی بات کافی ہے کہ گزشتہ صدیوں میں ایسی باتوں کا وجود تک نہ تھا، بلکہ صحابہ اور خلفاے راشدین کی تعریف و توصیف اور ان کے طریقۂ کار کی ستائش، ایک مشہور بات تھی۔ یہاں تک کہ خاندان اہل بیت نے بھی کبھی صحابہ کے پاک دامن کو اس طرح کی لغو باتوں کے ذریعہ داغ دار کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اگرچہ اس طرح کے گم راہ کُن نظریہ کی تردید کی چنداں حاجت نہ تھی کہ اہل علم اور اصحاب عقل ودانش پر اِن خرافات کی اصلیت خوب عیاں وبیاں ہے، مگر عوام اہل سنت کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے لیے چند سطریں تحریر کی جاتی ہیں، امید ہے کہ اللہ رب العزت اس کے ذریعہ بیمار دلوں کی حفاظت کا سامان فرمائے۔ وماتوفیقی الا باللہ۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

---

[۱] العواصم من القواصم، ج:۱، ص:۳۴

امام و خلیفہ کا نصب کرنا واجب ہے

انسان، زمین پر اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے۔ ارشاد ہے:

''وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً''۔ [۱]

''اور یاد کرو جب تمھارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں''۔

دوسری جگہ ہے:

''یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ''۔ [۲]

''اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا''۔

انبیاے کرام کا اللہ کا خلیفہ ہونا تو ظاہر و باہر، انبیا کے بعد امت کے صالح افراد کا بحیثیت خلیفہ مقرر ہونا بھی قرآن سے ثابت۔ ارشاد ہے:

''اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ''۔ [۳]

''اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے''۔

''وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ''۔ [۴]

''اور ان کے مُلک و مال کا انھیں کو وارث بنائیں''۔

''وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ''۔ [۵]

''اور وہی ہے جس نے زمین میں تمھیں نائب کیا''۔

''ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓىِٕفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ''۔ [۶]

---

[۱] البقرۃ، الآیۃ:۳۰

[۲] صٓ: الآیۃ:۲۶

[۳] الانبیاء، الآیۃ:۱۰۵

[۴] القصص، الآیۃ:۵

[۵] الانعام، الآیۃ:۱۶۵

[۶] یونس: الآیۃ:۱۴۔

"پھر ہم نے ان کے بعد تمھیں زمین میں جانشین کیا کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو"۔

اسی لیے اہل سنت و جماعت کے نزدیک زمانۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد امت پر کسی امام و خلیفہ کا نصب کرنا واجب ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ **اسلامی خلافت اور نبیِ کریم کی جانشینی** کے مسئلے کی وضاحت کر دی جائے۔

جمہور اہل سنت، معتزلہ و خوارج کا قول ہے کہ نبی -ﷺ- نے کسی ایک کے متعلق یہ صراحت نہیں فرمائی کہ فلاں شخص میرے بعد میرا جانشین ہو گا، اس کی بات سننا، اور اس کی اطاعت کرنا۔ چناں چہ مسند بزار میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! -ﷺ- کیا آپ ہم پر خلیفہ مقرر نہ فرمائیں گے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"إِنِّي إِنِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ فَتَعْصُونَ خَلِيفَتِي يُنَزَّلْ عَلَيْكُمُ الْعَذَابُ". [۱]

"اگر تم پر خلیفہ مقرر کر دوں اور تم میرے خلیفہ کی نافرمانی کرو تو تم پر عذاب نازل ہو گا"۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور -ﷺ- نے صراحتًا کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ فرمایا۔

محدثین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور -ﷺ- نے حضرت ابو بکر کی خلافت کو واضح رنگ میں بیان فرمایا۔ علامہ ابن حجر شافعی مکی کہتے ہیں: یہی حق بات ہے۔ [۲]

شیعوں کا مذہب یہ ہے کہ حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نبیِ کریم -ﷺ- کے

---

[۱] مسند بزار، مسند حذیفہ بن یمان، ج:۱، ص:۴۴۱۔

[۲] الصواعق مترجم، ص:۸۸۔

جانشین ہیں۔ اس بارے میں وہ اپنی کتابوں میں واہی تباہی روایتیں لاتے ہیں۔

جمہور اہل سنت اور محدثین کے مذاہب کا تجزیہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دونوں موقف اپنی جگہ درست ہیں۔ جمہور، صراحت اور نص جلی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وصال کے وقت آپ -ﷺ- نے کسی کے خلیفہ ہونے کے بارے میں معین طور پر نہ فرمایا۔ اور محدثین روایات حدیث پر نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آقا -ﷺ- نے بظاہر ایسی باتیں فرمائیں جن سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر آپ کے خلیفہ ہیں۔ اور اس میں کوئی تناقض نہیں۔ مذہب شیعہ کا بطلان ظاہر و باہر ہے۔

مسند بزار کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام مسئلۂ خلافت کو نہایت اہم سمجھتے تھے؛ اسی لیے انھوں نے بارگاہ رسالت میں جانشین مقرر کرنے کی گزارش کی۔

اسی طرح زمانۂ خلافت راشدہ کے حوالے سے غور کیا جائے تو بھی مسئلۂ خلافت کی اہمیت واولیت خوب واضح ہوجاتی ہے۔

بیماری کی حالت میں انسان علاج و معالجے کی فکر کرتا ہے، نہ کہ جانشین مقرر کرنے کی۔ مگر صحابۂ رسول مسئلۂ خلافت کی اہمیت کو بخوبی جانتے تھے، اسی لیے اس کے لیے خصوصی اہتمام بھی فرماتے، چناں چہ حضرت ابوبکر نے اپنے مرض الموت کے زمانے میں ہی اپنے بعد حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔

حضرت عمر کی جانشینی کے متعلق علامہ ابو جعفر طبری کا بیان ہے:

حضرت ابوبکر نے اپنے مرض الموت کے زمانے میں حضرت عمر کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کر دیا تھا، واقدی کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکر نے اپنی وفات کے وقت حضرت عبدالرحمن بن عوف کو بلایا اور ان سے حضرت عمر کے بارے میں رائے طلب کی۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا: اے خلیفۂ رسول! وہ دوسروں کی بہ نسبت آپ کی رائے سے بھی افضل ہیں۔ مگر ان کے مزاج میں ذرا شدت ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا: یہ شدت اس وجہ سے تھی کہ وہ مجھے نرم دیکھتے تھے۔ جب خلافت خود ان کے حوالے کی جائے گی تو اس قسم کی اکثر باتیں چھوڑ دیں گے۔

حضرت صدیق نے حضرت عثمان سے بھی مشورہ لیا، حضرت عثمان نے کہا: آپ ان کو سب سے زیادہ جانتے ہیں، حضرت ابو بکر نے کہا: ہاں! اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ پھر فرمایا: اے اللہ! میں عمر کے باطن کو ان کے ظاہر سے بہتر سمجھتا ہوں۔ ہم میں ان جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں۔ [۱]

یہی امام ابو جعفر طبری، ابوالسفر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"حضرت ابو بکر نے کہا: لوگو! جس شخص کو تم پر خلیفہ بناتا ہوں، کیا تم اس کو پسند کرتے ہو؟ کیوں کہ میں نے اس کے متعلق غور و فکر کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اور نہ میں نے اپنے کسی قرابت دار کو منتخب کیا ہے۔ میں نے عمر بن خطاب کو تمھارا خلیفہ بنایا؛ تم ان کا حکم سنو، اور ان کی اطاعت کرو۔ یہ سن کر سب نے کہا: ہم بسر و چشم منظور کرتے ہیں، اور ہم ان کی اطاعت کریں گے"۔ انتہی ملخصًا۔ [۲]

اس مستند تاریخی حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر کو اپنے بعد دنیاے اسلام پر کسی خلیفہ کے متعیّن کر دینے کی کس قدر فکر دامن گیر تھی۔

جب حضرت عمر پر ابو لولو مجوسی نے قاتلانہ حملہ کیا اور صحابۂ کرام نے محسوس کر لیا کہ اس کاری زخم سے آپ جانبر نہ ہو سکیں گے تو انھوں نے آپ سے وصیت اور خلیفہ مقرر کرنے کی گزارش کی۔ حضرت عمر نے فرمایا: میں اِن چھ آدمیوں سے بڑھ کر کسی کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتا۔ رسول کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- وفات کے وقت تک ان سے راضی تھے، پھر آپ نے عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔

علامہ ابن حجر شافعی، امام حاکم کے حوالے سے لکھتے ہیں: حضرت عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نے خطبے میں فرمایا:

"میں سمجھتا ہوں کہ میری موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ اور لوگ مجھے مشورہ دے رہے ہیں کہ میں خلیفہ مقرر کر دوں، اللہ تعالیٰ اپنے دین اور خلیفہ کو ضائع نہیں کرے گا، اگر

[۱] تاریخ الامم والملوک مترجم، ج:۲، ص:۱۸۵، حافظی بک ڈپو، سہارن پور

[۲] مصدر سابق، ص:۱۸۶

مجھے جلد موت آگئی تو ان چھ آدمیوں کے مشورے سے خلافت کا معاملہ طے کر لینا جن سے رسول اللہ -ﷺ- وفات کے وقت تک راضی تھے“۔ [۱]

بخاری و مسلم میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ جب آپ پر خلیفہ کے تقرر کے بارے میں طعن کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

”اگر میں نے خلیفہ مقرر کر دیا تو اس نے بھی خلیفہ مقرر کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھا، یعنی حضرت ابو بکر نے۔ اور اگر تم کو بغیر خلیفہ کے چھوڑتا ہوں تو اس ذات کریمہ نے بھی تم کو ایسے ہی چھوڑا تھا جو مجھ سے بہتر تھی۔ یعنی رسول کریم -ﷺ- نے۔ [۲]

ان مستند نقول سے واضح ہوا کہ صحابہ کے نزدیک خلیفہ کا تقرر اہم امور بلکہ اہم واجبات سے تھا، یہی تو وجہ ہے کہ حضرت عمر کے سخت زخمی ہونے کے بعد صحابہ نے آپ کو خلیفہ کی تعیین کے بارے میں مشورہ دینا شروع کر دیا، بلکہ مقرر نہ کرنے کی صورت میں ان پر نقد و طعن سے بھی باز نہ آئے۔

حضرت عثمان، بلوائیوں کے ہاتھوں ظلماً شہید کیے گئے، حالات اتنے سنگین تھے کہ ان کے سامنے جانشینی کا معاملہ پیش نہ ہو سکا۔ ان کے شہادت کے بعد حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- خلیفہ مقرر کیے گئے۔ الصواعق المحرقہ میں ہے:

حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد لوگ دوڑتے ہوئے حضرت علی کے پاس آئے اور کہنے لگے: اپنا ہاتھ بڑھائیے! ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ **ایک امیر کا ہونا بہت ضروری ہے۔** حضرت علی نے جواب دیا: یہ آپ لوگوں کا کام نہیں، یہ اہل بدر کا کام ہے، جس سے اہل بدر راضی ہوں گے؛ وہ خلیفہ ہو گا۔ اہل بدر نے حضرت علی کے پاس آکر کہا: ہم آپ کے سوا کسی کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے، ہاتھ بڑھائیے! ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ چناں چہ انھوں نے آپ کی بیعت کر لی۔

---

[۱] الصواعق المحرقہ، ص:۲۷۲

[۲] ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، رقم:۶۷۹۲، ج:۶، ص:۳۶۳۸، باب الاستخلاف۔ مسلم، رقم:۱۸۲۳، کتاب الإمارۃ، باب الاستخلاف و ترکہ

ابن سعد کہتے ہیں: حضرت علی کی بیعت خلافت، قتل عثمان کے دوسرے دن مدینے میں ہوئی، وہاں موجود تمام صحابہ نے آپ کی بیعت کی۔ [۱]

سیدنا علی مرتضی کی شہادت کے بعد رمضان ۴۰ھ ہجری میں حضرت امام حسن بن علی –رضی اللہ تعالیٰ عنہما- کی بیعتِ خلافت عمل میں آئی، جس سے خلافت راشدہ کی تکمیل ہوگئی۔

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

"جُندُب بن عبداللہ کا بیان ہے: میں نے حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی: اے امیر المومنین! خدانہ خواستہ اگر آپ ہمیں چھوڑ کر اللہ کے پاس چلے جائیں تو کیا ہم حضرت حسن سے بیعت کرلیں؟ حضرت علی نے فرمایا: میں نہ تمھیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی اس سے روکتا ہوں، تم لوگ زیادہ مناسب سمجھ سکتے ہو"۔ [۲]

خلافت راشدہ کے زمانے میں جانشینی کے حالات بطور اختصار درج کیے گئے، اموی اور عباسی دور میں بھی یہی حال تھا۔ ہارون رشید عباسی نے تو اپنے بعد اپنے بیٹوں، امین، مامون، اور قاسم کی علی الترتیب جانشینی، مؤکد قسموں کے ساتھ لکھوا کر خانۂ کعبہ کے اندر معلق کرایا تھا۔ اِن امور سے مسئلۂ خلافت کی اہمیت بلکہ اس کا اہم واجبات سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اور یہ تو پوری امت مسلمہ پر کسی جانشین کے ہونے کی بارے میں گفتگو تھی، جو ایک اہم مسئلہ ہے۔ امام الانبیا –ﷺ- نے عام حالت سفر میں بھی جانشین مقرر کرنے کا حکم فرمایا کہ جب تین آدمی سفر پر نکلیں تو کسی کو اپنا امیر بنالیں۔

"إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ". [۳]

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب صرف تین مسافروں پر مشتمل قافلے کے بارے میں شریعت مطہرہ انھیں امیر مقرر کرنے کی تاکید فرماتی ہے، اور آقا –ﷺ- کو یہ گوارا نہیں کہ تین امتی بھی بغیر امیر کے سفر کریں۔ سفر جیسے معمولی کام کے لیے یہ تاکید! تو کیا مقاصد

[۱] الصواعق المحرقہ، ص: ۳۰۰، کتب خانہ امجدیہ دہلی

[۲] تاریخ الامم والملوک مترجم، ج: ۴، ص: ۳۲۴، حافظی بک ڈپو

[۳] سنن ابوداود، کتاب الجھاد، باب فی القوم یسافرون الخ، رقم: ۲۶۱۰

شرع جیسے غیر معمولی اور اہم کام کی تکمیل کے لیے خلیفہ کا تقرر نہیں ہونا چاہیے؟

دور صحابہ اور مابعد کے حالات نے یہ واضح کر دیا کہ پوری امت مسلمہ کے نزدیک خلافت کی اہمیت مسلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک **زمانۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد امام و خلیفہ کا نصب کرنا واجب ہے۔**

شیخ الاسلام احمد بن حجر شافعی مکی [م:۹۷۳] فرماتے ہیں:

"اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ صحابہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- کا اس بات پر اجماع ہے کہ زمانۂ نبوت گزرنے کے بعد امام کا نصب کرنا واجب ہے۔ بلکہ انھوں نے تو اسے اہم واجبات میں سے قرار دیا۔ کیوں کہ انھوں نے اس وقت تک رسول اللہ -ﷺ- کو دفن نہیں کیا جب تک کہ امام کو مقرر نہ کر لیا۔ امام کی تعیین کے بارے میں ان کا اختلاف کرنا، اجماع مذکور اور اس کی اہمیت میں کوئی رخنہ پیدا نہیں کرتا۔ جب نبی -ﷺ- کا وصال ہو گیا تو حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے، فرمایا: جو شخص محمد -ﷺ- کی عبادت کرتا تھا، وہ سن لے کہ وہ وفات فرما چکے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا؛ وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے، اس پر موت نہیں آتی۔ آپ لوگ اچھی طرح نظر دوڑا کر مجھے اپنی رائے سے آگاہ کریں، کیوں کہ **اس معاملے میں کسی شخص کو مقرر کرنا نہایت ضروری ہے۔** لوگوں نے جواب دیا: آپ نے درست فرمایا۔ ہم اس بارے میں غور کرتے ہیں"۔[۱]

شیخ الاسلام کے متذکرہ بالا بیان سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) زمانۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد کسی امام و خلیفہ کا تقرر واجب بلکہ اہم واجبات سے ہے۔

(۲) جب تک خلافت کا مسئلہ حل نہ ہو گیا اس وقت تک صحابہ نے نبی کریم ﷺ کو دفن نہ کیا گیا۔

(۳) امام و خلیفہ کا نصب کرنا ایک اجماعی امر ہے، تمام صحابہ (مہاجرین و انصار و اہل بیت) اس پر متفق ہیں۔

---

[۱] الصواعق المحرقہ مترجم، ص:۴۹، مقدمۂ ثانیہ، کتب خانہ امجدیہ دہلی، اشاعت ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳ء

(۴) امام کی تعیین کے بارے میں مہاجرین و انصار کا اختلاف، اجماعِ مذکور میں رخنہ انداز نہیں ہو سکتا۔

(۵) حضرت ابو بکر نے مجمع صحابہ سے فرمایا کہ کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرنا نہایت ضروری ہے۔ تو اس بات کا کسی نے انکار نہ کیا۔ حتیٰ کہ حضور کے چچا حضرت عباس اور شیرِ خدا حضرت علی اور حضرت زبیر اور اہل بیت اطہار -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- نے بھی اس کا انکار نہ کیا۔ بلکہ سب کا جواب تھا کہ آپ کی بات درست ہے۔ ہم اس مسئلے میں غور و فکر کرتے ہیں۔

اب ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے کہ کیا تمام صحابہ اس بات سے لاعلم تھے کہ تدفین میں تاخیر نہیں کرنا چاہیے۔ تدفین میں جلدی کرنا اپنی جگہ مسلم؛ مگر اہم واجبات سے نہیں۔ ورنہ تو لازم آئے گا کہ لڑکی کے بالغہ ہوتے ہی اس کا نکاح واجب ہو جائے۔ اور نماز کا وقت شروع ہوتے ہی اس کی ادائگی ضروری قرار پائے کہ حدیث میں ان تمام امور میں جلدی کرنے کا حکم ہے۔ [۱] حالاں کہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

اس سے یہ عُقدہ بھی حل ہو گیا کہ صحابۂ کرام کو تدفین میں جلدی کرنے کا حکم بخوبی معلوم تھا، لیکن اس سے بھی اہم معاملہ پیش آجانے کے سبب انھوں نے اس میں تاخیر کی۔ امر خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع و اتفاق اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نصب امام کو تقدم حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اہل بیت نے بھی تدفین کے معاملے میں کوئی پیش قدمی نہ فرمائی۔ نہ بعد میں کبھی اس کا شکوہ کیا۔ یہاں تک کہ جب حضرت علی اور حضرت حسن -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- خلیفہ مقرر کیے گئے اور عراق و عرب کی گردنیں ان نفوس قدسیہ کے سامنے جھکی ہوئی تھیں، ہزاروں شہ سوار ان کے ہم رکاب تھے، اور اپنی گردنیں کٹانے کو تیار تھے، اس دور میں بھی کبھی اِن بزرگوں نے نہیں فرمایا کہ حضرت ابو بکر و عمر کو یا دیگر صحابہ کو جانشینی کی فکر دامن گیر تھی، انھیں طلب دنیا کی خواہش تھی، انھیں اپنے آقا کی کوئی پروا، نہ تھی۔ اس لیے تدفین میں تاخیر ہوئی۔

حضور کے چچا حضرت عباس نے بھی کبھی اس قضیے کو نہ چھیڑا، صدیوں تک آپ کی

[۱] ملاحظہ ہو سنن ترمذی، رقم:۱۰۷۵

اولاد میں خلافت کی باگ ڈور رہی، ابو العباس سفاح، ابو جعفر منصور، مہدی، ہادی، ہارون رشید، امین، معتصم، واثق، متوکل وغیرہ نامور خلفاے عباسیہ کے زمانے میں بھی کبھی کسی خلیفہ کو اس بات کا خیال نہ آیا؛ حالاں کہ ان سب کا تعلق خاندان بنی ہاشم اور حضرت عباس کی اولاد سے ہے۔ [جب کہ مامون کی شیعہ نوازی اور اعتزال پسندی واضح ہے]

آج چودہ صدیاں گزرنے کے بعد صحابۂ کرام پر اس طرح کی الزام تراشی سے کیا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ محبت نبی اور حب اہل بیت کے نام پر قوم کو گم راہ کیا جا رہا ہے۔ لوگوں کی عقیدتوں سے کھلواڑ کیا جا رہا ہے، مریدین کے قلوب و اذہان میں حُبِّ نبی کی آڑ میں بغض صحابہ کی بیج بوئی جا رہی ہے۔ صحابۂ کرام کے اجماع کے مقابل چنیں و چناں، ماو شما کی کیا وقعت! اور ان نفوس قدسیہ کے سامنے کسی صاحب زادے اور پیر زادے کی کیا حیثیت؟

ایسے ہی بد نصیب لوگوں کے بارے میں آقاے دو عالم -ﷺ- نے فرمایا کہ:

"إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ". [۱]

"جب میرے صحابہ کو برا بھلا کہنے والوں کو دیکھو تو ان سے کہو کہ تمھاری پیدا کردہ شرارت پر اللہ کی لعنت ہو"۔

اور مصطفیٰ جانِ رحمت -ﷺ- نے ایسے ہی مواقع پر علما کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

"إذا ظهرت الفتن -أو قال: البدع- وسب أصحابي فليظهر العالم علمه فمن لم يفعل ذلك فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل الله له صرفا ولا عدلا". [۲]

" جب فتنوں یا بدعتوں کا ظہور ہو اور میرے صحابہ کو برا بھلا کہا جائے تو عالم کو اپنے علم کا اظہار کرنا چاہیے۔ اور جو ایسا نہ کرے، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی کوئی قیمت اور بدلہ قبول نہ فرمائے گا"۔

---

[۱] الترمذی عن ابن عمر، رقم: ۳۸۶۶، ج: ۶، ص: ۱۸۰۔

[۲] الجامع لاخلاق الراوی للخطیب البغدادی، رقم: ۱۳۶۶، ج: ۴، ص: ۲۷، مکتبہ شاملہ۔

نصب امام کے وجوب کی وجہ

صحابۂ کرام کے اجماع سے جب یہ امر متحقق ہوگیا کہ نصب امام، اہم ترین واجبات سے ہے، تو اب اس امر کو سمجھنا چاہیے کہ اس کے وجوب کی وجہ کیا ہے؟

اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ خدا اور رسول کے فرمان کے مطابق اسلامی معاشرے کی حفاظت و صیانت اور حدود شرعیہ کا قیام، لازم و واجب ہے۔ اور اس واجب مطلق کی تکمیل و بجاآوری اسی صورت میں ممکن ہے کہ امام و خلیفہ مقرر کرلیا جائے، ورنہ یہ تمام امور ضائع ہوجائیں گے۔ اگر حاکم اسلام نہ ہو تو اسلامی احکام کا نفاذ کیسے ہوسکے گا؟ ظالم سے مظلوم کا بدلہ کون لے گا؟ شر و فساد کو کون دفع کرے گا؟ امت کی خیر خواہی کا ضامن کون ہوگا؟ اور مقاصد شرع کی تکمیل کیسے ہوسکے گی؟ ان امور پر غور کرنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نصب امام واجب ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر مکی نے اس کے وجوب کا سبب یوں بیان فرمایا:

"حضور –علیہ الصلاوۃ والسلام– نے حدود کے قیام، سرحدوں کی حفاظت، جہاد کے لیے لشکروں کی تیاری، اور اسلامی معاشرے کی حفاظت کا حکم فرمایا، اور واجب مطلق کی تکمیل اسی سے ہوسکتی ہے۔ اور جس چیز کا کرنا مقدور میں ہو وہ واجب ہوتی ہے۔ پھر نصب امام سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، اور بہت سے نقصانات کو دور کیا جاتا ہے۔ اور اس قسم کی ہر چیز کا کرنا واجب ہوتا ہے... امام [خلیفہ] کے بغیر لوگوں کے احوال کا انتظام کرنا ایک محال بات ہے، جیسا کہ روز مرہ کے مشاہدات میں بھی یہ بات آرہی ہے"۔ اھ مختصرا.[۱]

اس امر کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

"مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً".[۲]

"جس شخص کی موت اس حالت میں ہوئی کہ اس کی گردن میں کسی [امام و خلیفہ] کی

---

[۱] الصواعق، ص:۴۹، ۵۰

[۲] الصحیح لمسلم، ج:۶، ص:۲۲، رقم:۴۸۹۹، باب الامر بلزوم الجماعۃ

بیعت کا قلادہ نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا''۔

یہ حدیث، نصب امام کے وجوب کی واضح دلیل ہے۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ یہاں پیری مریدی کی بیعت ہرگز مراد نہیں کہ زمانہ صحابہ و تابعین میں اس کا رواج نہ تھا، اور اس کے وجوب کا کوئی قائل بھی نہیں۔ اور نہ ہی نماز پڑھانے والے امام کی بیعت مراد ہے؛ کہ اس کی بیعت بھی واجب نہیں؛ بلکہ اس کا کوئی مطلب بھی نہیں؛ لہذا یہ بات طے ہو گئی کہ یہاں بیعت سے مراد کسی امام و خلیفہ کی بیعت ہے۔

ثابت ہوا کہ خلیفہ اور امام کا تقرر مختلف مصالح کے پیش نظر واجب بلکہ اہم واجبات سے ہے۔

صحابہ پر لاپروائی کے الزام کی تحقیق

اب اس الزام کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا یہ درست ہے کہ وہ صحابۂ کرام جنھوں نے اپنا سب کچھ اپنے ہادئ برحق کے قدموں پر نثار کر دیا ہو، جن کے ایثار و وفا کا زمانہ گواہ ہو، کیا وہ نبی کے وصال کے فوراً بعد اتنے خود غرض ہو گئے کہ آپ کو یوں ہی چھوڑ کر چلے گئے؟ اور انھیں جانشینی کی ایسی فکر دامن گیر ہوئی کہ تدفین سے بے اعتنائی برتی؟ یا اس کے پیچھے کچھ اور بھی عوامل کار فرما تھے، جن کے باعث یہ سب کچھ ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ جس وقت رحمت عالم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کا وصال ہوا، شمع رسالت کے پروانوں کے لیے وہ گھڑی قیامت سے کم نہ تھی، اس تصور سے ہی وہ کانپ جاتے کہ جس ذات کریمہ کو دیکھے بغیر انھیں قرار نہیں آتا تھا، وہ ہستی اب ان کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو جائے گی۔ وفات حسرت آیات کی خبر دور دور تک پہنچ گئی، ہر شخص حیران و پریشان تھا، رنج و غم سے نڈھال تھا، سیدہ فاطمہ زہرا کا تو یہ حال ہوا کہ حضور کے وصال پُر ملال کے بعد کسی نے انھیں ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی -علیہ الرحمہ- نے ''مدارج النبوۃ'' میں اس سانحۂ جاں کاہ کی ترجمانی کی ہے۔ اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

سرکار مصطفیٰ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی وفات کے صدمے نے تمام صحابۂ کرام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ سب حیران و ششدر ہو کر رہ گئے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی عقلیں سلب

ہو گئی ہیں، اور حواس ناکارہ ہو گئے ہیں۔ بعض صحابہ ایسے تھے کہ شدت غم سے ان کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ حضرت عثمان -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- بھی انھیں لوگوں میں سے تھے، چناں چہ اسی دوران ان کے پاس سے حضرت عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کا گزر ہوا۔ حضرت عمر نے سلام کیا، حضرت عثمان نے سنا مگر بولنے کی طاقت نہ رہ گئی تھی؛ اس لیے کوئی جواب نہ دیا۔ بعض کے اعصاب ناکارہ ہو کر رہ گئے تھے، ان کے بدن میں جنبش کی قوت نہ رہ گئی تھی۔ چناں چہ شیرِ خدا حضرت علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کی بھی یہی کیفیت تھی۔ حضرت عمر فاروق کی حالت سب سے جدا تھی۔ بعض صحابۂ کرام نے یہ دعا مانگنا شروع کر دی، اے اللہ! ہماری آنکھوں کی بینائی سلب کر لے، تاکہ جن آنکھوں نے تیرے حبیب کے چہرۂ انور کو دیکھنے کا شرف حاصل کیا؛ وہ کسی اور چہرے کو نہ دیکھیں۔

صحابۂ کرام کا تو یہ حال تھا، ادھر منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ اگر حضور نبی ہوتے تو انھیں موت نہ آتی۔ یہ سن کر حضرت عمر، فرطِ غم سے بے قابو ہو گئے، تلوار بے نیام کر لی، اور اعلان کرنا شروع کیا کہ اگر کسی نے کہا کہ رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- وفات پا گئے تو اس تلوار سے میں اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔

حضرت ابو بکر کو جب وفات کی الم ناک خبر پہنچی، فوراً سوار ہو کر حجرۂ مقدسہ کی طرف روانہ ہوئے، زبان سے وامُحمّداہ کی فریاد نکل رہی تھی، زار و قطار رو رہے تھے، حجرۂ مقدسہ میں پہنچ کر رخ انور سے چادر ہٹائی، بوسہ دیا، پھر باہر نکل آئے۔ حضرت عمر کا جو یہ حال دیکھا تو فرمایا کہ آپ بیٹھ جائیں۔ انھوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- وفات پا چکے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خود ہی فرما دیا:

"اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ"۔ [۱]

"[اے محبوب!] بے شک تمھیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے"۔

پھر منبر پر تشریف لائے جو لوگ حضرت عمر کے ساتھ تھے، وہ بھی حضرت صدیق کے پاس پہنچ گئے، حمد و صلاۃ کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

"مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

---

[۱] الزمر، الآیۃ: ۳۰

اَنْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ‘‘۔[۱]

’’اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے۔ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟‘‘

لوگوں نے جب یہ آیت سنی تو انھیں یہ محسوس ہوا کہ گویا یہ آج ہی نازل ہوئی ہو۔ حضرت فاروق اعظم نے بھی اپنی غلط فہمی کا ازالہ کیا اور حضرت ابو بکر کی تصدیق فرمائی۔[۲]

صحابۂ کرام پر وارد ہونے والی کیفیات کا تو یہ حال تھا جسے ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ قلم بند کیا۔ تاریخ الامم والملوک، البدایۃ والنہایۃ، سیرت ابن ہشام، تاریخ اسلام للذہبی، السیرۃ النبویہ لابن کثیر وغیرہ میں حالات تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

کیا ان حالات کے پیشِ نظر اس الزام تراشی اور افواہ بازی کی کوئی حقیقت رہ جاتی ہے کہ صحابہ کو محض جانشینی کی فکر تھی، حضور کی کسی کو پروا، نہ تھی؟ جہاں فاروق و عثمان، علی و فاطمہ جیسے جلیل القدر صحابہ کے ہوش و حواس گم تھے، فرط رنج وغم میں صحابہ یہ دعا کر رہے تھے کہ ہماری بینائی سلب کر لی جائے۔ خواص کا جب یہ حال تھا تو عامۂ صحابہ کا کیا حال رہا ہو گا۔ ان پر بے پروائی کا الزام اور خلافت کی لالچ کا بہتان سخت تعجب خیز ہے۔

یہ تو وفات حسرت آیات کے بعد کے واقعات ہیں، وصال سے دو تین روز قبل جب امام الانبیا -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- علالت و نقاہت کی بیناد پر امامت کے لیے خود تشریف نہ لے جا سکے اور حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا، حضرت بلال نے اپنے پیارے آقا کی یہ حالت دیکھی تو اُن پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، صبر کی قوت نہ رہی، باآواز بلند کہنے لگے:

’’ہائے! میری امیدوں کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ ہائے! میں کس کے سامنے فریاد کروں۔ میری پشت دُوہری ہو گئی، اے کاش! میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا۔ اور اگر جنا تھا تو آج سے پہلے ہی مر گیا ہوتا، اور اپنے آقا کی بیماری اور نقاہت کا یہ دل خراش منظر نہ دیکھا ہوتا‘‘۔

اور پھر جب حضرت ابو بکر صدیق -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- مصلیٰ امامت پر تشریف لے

---

[۱] آل عمران، الآیۃ:۱۴۴

[۲] مدارج النبوۃ، ج:۲، ص: ۴۳۲، مکتبۂ نوریہ، سکھر، پاکستان

گئے اور مصلے کو اپنے پیارے آقا سے خالی پایا تو غش کھا کر گر پڑے۔ فرطِ غم سے مسلمانوں کی چیخیں نکل آئیں۔ آقائے دو عالم -ﷺ- نے جب اپنے پروانوں کا یہ حال دیکھا تو حضرت علی و ابن عباس کو طلب فرمایا، ان پر ٹیک لگا کر مسجد تشریف لائے، اور اپنے بے قرار صحابہ کی تسلی کا سامان فراہم کیا۔ [۱]

مقام غور ہے کہ آقا -ﷺ- کی حیات مبارکہ میں آپ کی علالت و نقاہت دیکھ کر جب صحابہ کا یہ حال تھا تو وصال کے بعد ان کا کیا حال رہا ہو گا۔ مقام ہدایت پر فائزان مردان خدا کے بارے میں لاپروائی کا الزام تھوپنا کیا درست ہو سکتا ہے؟ اہل انصاف اس پر خود ہی غور فرمالیں۔

بہر حال صحابۂ کرام کو حضرت ابو بکر کے خطاب سے کچھ صبر و قرار نصیب ہوا۔ اور دین کے بارے میں جو اندیشے انھیں پریشان کر رہے تھے، ان میں کچھ کمی آئی۔ اسی دوران کسی نے آکر خبر دی کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر حضرت سعد بن عبادہ انصاری خزرجی، کو اپنا خلیفہ بنانا چاہ رہے ہیں۔

اب ہر عقل سلیم کا مالک، انصار کے ان حالات کو سُن کر بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ کیا حضرت ابو بکر و عمر کا وہاں بیٹھا رہنا مناسب تھا؟ اگر یہ حضرات انصار کے مجمعے میں نہ جاتے اور حضرت سعد کی بیعت مکمل ہو جاتی، تو اُس کے کیا نتائج بر آمد ہوتے؟؟؟

جس گلشن اسلام کی آبیاری ہادیٔ برحق نے اپنے مبارک آنسوؤں اور پاک خون سے فرمائی تھی، اور صحابہ نے جسے پروان چڑھانے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا، اسے یوں ہی بے یار و مددگار چھوڑ دینا کسی طرح مناسب نہ تھا، اُن کا ایمان انھیں مجبور کر رہا تھا، کہ اب بلا تاخیر اس خطرے کے مقام پر پہنچنا ضروری ہے اور اس کا سدباب لازم و واجب ہے۔ ان کا قطعی ارادہ نہ تھا کہ لوگوں سے اپنی جانشینی کی بیعت لیں گے۔ وہ تو فتنے کی آگ بجھانے تشریف لے گئے تھے کہ اچانک حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہ گیا کہ حضرت صدیق کی بیعت کر لی جائے۔ ایک لمحے کی تاخیر بھی نہایت تباہ کُن ثابت

---

[۱] تاریخ الخمیس، ملخصا، ج:۲، ص:۱۶۳

ہوتی اور اسلام کا شیرازہ منتشر ہو کے رہ جاتا۔

اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عمر فاروق نے فرمایا تھا:

”کسی کو یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ حضرت ابو بکر کی بیعت اچانک ہو گئی تھی، ہاں! وہ اسی صورت میں ہوئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے بچا لیا. مجھے اختلاف کا اندیشہ ہوا، تو میں نے حضرت ابو بکر سے کہا: ہاتھ بڑھائیے! آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اور مہاجرین نے آپ کی بیعت کر لی۔ پھر اس کے بعد انصار نے بھی آپ کی بیعت کر لی۔

خدا کی قسم! میں نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے زیادہ متفقہ بات کوئی نہیں دیکھی۔ ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر ہم لوگوں سے علاحدہ ہو گئے اور بیعت نہ ہوئی تو وہ ہمارے بعد نئی بیعت کر لیں گے، یا پھر ہم بادل ناخواستہ ان کی بیعت کر لیں یا ان کی مخالفت کریں، اس صورت میں فساد ہو گا“۔ [۱]

امام بخاری کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ حالات کے پیش نظر حضرت ابو بکر کی بیعت اچانک ہو گئی تھی، یہ حضرات سقیفہ میں اپنی بیعت لینے نہیں گئے تھے، پھر تمام صحابہ کا اس بیعت پر اتفاق ہو گیا، اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو پھر فتنہ و فساد کا قوی امکان تھا۔

ایک شبہے کا ازالہ

مہاجرین بالخصوص شیخین کا دامن تو مذکورہ الزام سے بے غبار ثابت ہوا، ان کی مجبوری اور معذوری واضح ہو گئی۔ البتہ انصار کے بارے میں کوئی شبہہ کر سکتا ہے کہ وصال شریف کے بعد فوراً انھوں نے یہ اقدام کیوں کیا کہ حضرت سعد بن عبادہ کو اپنا امیر بنانے کا فیصلہ کر لیا؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ انصار نے اسلام و مہاجرین کی جو نصرت و مدد کی تھی، اور انھوں نے جس خلوص و ایثار کا ثبوت دیا تھا، اس کی بنا پر وہ خود کو نبی –ﷺ– کی جانشینی کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے، ان کے پیش نظر بھی خلافت کے قیام کی وہ تمام مصلحتیں تھیں جن کا ذکر نصب امام کے وجوب کے ضمن میں گزرا۔ وہ اپنے اجتہادی رائے سے امر خلافت کو اہم واجبات سے سمجھتے تھے۔ اور ان کا یہ اجتہاد بھی حدیث کے عین مطابق ہے، جیسا کہ فرمایا

---

[۱] البخاری، رقم: ۳۶۶۸، ج: ۵، ص: ۱۷۷۸، مکتبہ شاملہ

گیا کہ ”جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں کسی امام کی بیعت کا قلادہ نہ ہو؛ وہ جاہلیت کی موت مرا“۔ اور بعد کے حالات اور صحابہ کے اجماع نے بتا دیا کہ اُن کا موقف بھی غلط نہ تھا، اس لیے وہ بھی معذور ہیں، ان پر کسی قسم کی بدگمانی سخت جرم ہے۔ جنھوں نے ہر پُر خطر موقعے پر اپنے محبوب آقا کا ساتھ دیا ہو، جن کی امانت و وفا کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا ہو، جن کے بارے میں امام الانبیا یہ فرمائیں کہ ”اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں؛ تو میں انصار والی وادی میں چلوں گا:

”لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتْ الْأَنْصَارُ شِعْبًا لَاخْتَرْتُ شِعْبَ الْأَنْصَارِ“. [۱]

ایسی قوم کے بارے میں دل میں کسی قسم کی بدگمانی کا پیدا ہونا سوائے شیطان لعین کے وسوسہ اندازی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔

حُبِّ علی کے پردے کی آڑ میں صحابہ پر طعن کرنے والے ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے یہ بھی غور کریں کہ اگر بالفرض صحابہ نے جانشینی کی فکر کی وجہ سے تدفین میں تاخیر کی ہوتی تو حضرت علی شیرِ خدا خاموش کیوں رہتے؟ حضور کے چچا حضرت عباس اور ان کے صاحبزادگان اور حضور کے قرابت دار اور حواری حضرت زبیر بن عوام -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- کو آخر کون سا خوف مانع تھا کہ یہ سب کچھ دیکھتے رہے، اور سکوت اختیار کیے رہے؟ آخر ازواج مطہرات اور دیگر اہل بیت اطہار کی خاموشی کی وجہ کیا تھی؟

کیا اس الزام و اتہام سے خود اِن نفوس قدسیہ کے پاک دامن داغ دار نہ ہوں گے؟ ایک ادنیٰ مسلمان جانتا ہے کہ کفن دفن کی اصل ذمہ داری میت کے گھر والوں پر عائد ہوتی ہے۔ غور کریں کہ الزام و اتہام کا یہ سلسلہ کہاں تک جائے گا؟ کیا حب نبی کے یہی معنی ہیں کہ اصحابِ نبی پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے جائیں؟ اہل بیت سے بغض روا رکھا جائے؟ اس طرح کا نظریہ نہ ایمان کا حصہ ہو سکتا ہے، نہ اہل ایمان کا شیوہ، بلکہ یہ نظریہ حد درجہ گم راہ کُن ہے، جس سے بہر حال توبہ لازم ہے۔

---

[۱] البخاری، ج:۱۳، ص:۲۲۷، رقم:۳۹۸۸

ایک اور شبہہ: کسی مریض قلب کے دل میں یہ شبہہ پیدا ہوسکتا ہے کہ تین دن میں عموماً نعش متغیّر ہوجاتی ہے، اور نبی -ﷺ- کی وفات کے تیسرے دن نعش مبارک کو دفن کیا گیا، اگر اس میں تغیر آجاتا تو بڑی گستاخی ہوتی۔

شبہہ کا ازالہ: انبیاے کرام - علیهم الصلاۃ والسلام - کو عام انسانوں پر قیاس کرنا سراسر باطل اور غلط ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ اگر قیامت تک نعش مبارک یوں ہی رہتی تو اس میں ادنیٰ تغیر بھی واقع نہیں ہوتا۔ علامہ ابن جریر طبری حضرت یعقوب -علیہ الصلاۃ والسلام- کے وصال اور ان کی تدفین کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مصر آنے کے بعد حضرت یعقوب -علیہ الصلاۃ والسلام- ۱۷/ سال زندہ رہے۔ جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو حضرت یوسف -علیہ الصلاۃ والسلام- کو اپنا وصی بنایا اور ان سے فرمایا کہ مجھے میرے والد اسحٰق -علیہ الصلاۃ والسلام- کے پاس دفن کرنا۔ حضرت یوسف -علیہ الصلاۃ والسلام- نے ایسا ہی کیا اور انھیں شام لے جاکر دفن کیا۔ اور پھر مصر واپس آئے“۔ [۱]

اور یہی علامہ ابن جریر طبری، حضرت یوسف -علیہ الصلاۃ والسلام- کی وصیت اور تدفین کے بارے میں رقم طراز ہیں:

”حضرت یوسف -علیہ الصلاۃ والسلام- نے یہ وصیت کی کہ مجھے میرے آبا کے قریب دفن کیا جائے۔ [حضرت یوسف -علیہ الصلاۃ والسلام- کی قبر مرمر کے ایک صندوق میں دریاے نیل کے درمیان بنائی گئی] جب حضرت موسیٰ -علیہ الصلاۃ والسلام- نے دریا پار کیا تو حضرت یوسف -علیہ الصلاۃ والسلام- کی قبر کھودی اور وہاں سے جسد مبارک نکال کر شام میں دفن کیا“۔ [۲]

اندازہ لگایا جاسکتا ہے حضرت یعقوب -علیہ الصلاۃ والسلام- کے جسد اطہر کو مصر سے شام لے جانے میں اچھا خاصا وقت صرف ہوا ہوگا۔ اور حضرت یوسف -علیہ الصلاۃ والسلام- کی نعش مبارک کو زمانۂ دراز کے بعد مصر سے شام منتقل کیا گیا؛ کیوں کہ حضرت

---

[۱] تاریخ الامم والملوک، قبل از اسلام، ذکر یوسف -علیہ الصلاۃ والسلام-، ج:۱، ص:۲۶۲، حافظی بک ڈپو

[۲] مصدر سابق

موسیٰ -علیہ الصلاۃ والسلام- اور حضرت یوشع -علیہ الصلاۃ والسلام- کا زمانہ ایک ہے، اور حضرت یوشع، حضرت یوسف کی چوتھی پشت میں آتے ہیں۔ نسب نامہ یوں ہے: یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف۔

اور حضرت سلیمان -علیہ الصلاۃ والسلام- کا واقعہ تو قرآن مجید میں بھی مذکور ہے کہ ایک سال بعد معلوم ہوا کہ ان کا وصال ہو چکا ہے اور جنات کی غیب دانی کا دعویٰ طشت از بام ہو گیا۔

جب اِن پیغمبروں کے جسد مبارک مہینوں بلکہ صدیوں میں متغیّر نہ ہوئے تو امام الانبیا کے جسد مبارک کے بارے میں اس طرح کا شبہہ شیطانی وسوسے کے علاوہ کچھ نہیں۔

حضور اکرم -ﷺ- نے روز جمعہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے صحابہ سے فرمایا کہ اس روز مجھ پر بہ کثرت درود پاک پڑھا کرو؛ کیوں کہ تمھارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کی:

”كَيْفَ تُعْرَضُ صَلاَتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ يَقُولُونَ بَلِيتَ“.

”اے اللہ کے رسول! ہمارے درود حضور پر کیسے پیش کیے جائیں گے حالاں کہ حضور کا جسد مبارک بوسیدہ ہو گیا ہو گا؟“

حضور نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ“.[۱]

”اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام قرار دیا کہ وہ انبیاے کرام کے پاک جسموں کو کھائے“۔

حضرت ابو درداء -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کی حدیث میں اس کے بعد: ”فَإِن نَبِي الله حَيّ يرْزق“. [اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے، اسے رزق دیا جاتا ہے] کے الفاظ بھی ہیں۔[۲]

اس حدیث سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ انبیاے کرام کے پاک جسموں میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا؛ وہیں حیات النبی -ﷺ- کا عقیدہ بھی واضح ہو گیا۔ فالحمد للہ رب العٰلمین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء و المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

---

[۱] سنن ابی داود، ج ۱ ص ۴۰۵، رقم ۱۰۴۹

[۲] البدر المنیر فی تخریج الاحادیث، ج:۵، ص:۲۸۸

باب چہارم

اس گم راہ کن نظریہ کی تردید کہ:

”جو ابو طالب کو ایمان والا نہ جانے وہ یزیدی ہے“

حضرت ابو سعید خدری - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - سے روایت ہے کہ رسول اللہ - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - کے سامنے ابو طالب کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا:

”امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت اسے نفع دے گی؛ کہ جہنم میں پاؤں تک کی آگ میں کر دیا جائے گا، جو اس کے ٹخنوں تک ہو گی، جس سے اس کا دماغ جوش مارے گا“۔

[صحیح البخاری، مناقب الانصار، باب قصۃ ابی طالب۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب شفاعۃ النبی - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - لابی طالب، ج:۱، ص:۱۱۵، مجلس برکات]

کیا جو ابوطالب کو ایمان والا نہ جانے وہ یزیدی ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور کے چچا ابوطالب نے عمر بھر رحمت عالم -ﷺ- کی کفالت و نصرت کی، حد درجہ آپ سے محبت کی، حتی کہ اپنی اولاد سے زیادہ حضور کو عزیز رکھا۔ جب اہل مکہ آپ کے جانی دشمن ہو گئے اور ہر طرح سے آپ کو ستانے لگے اس وقت بھی ابوطالب نے حضور کا ساتھ دیا۔ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ حضور اقدس -ﷺ- اللہ کے سچے رسول ہیں اور دین اسلام سچا دین ہے، یہی وجہ ہے کہ انتقال کے وقت بنی ہاشم کو وصیت کی کہ محمد عربی -ﷺ- کی تصدیق کرو؛ فلاح پاؤ گے۔ حضور کی شان اقدس میں نعت شریف بھی لکھی۔ اُن کے نعتیہ قصیدے کا ایک شعر صحیح بخاری میں بھی موجود ہے:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامَى ، عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ [۱]

وہ گورے رنگ والے جن کے چہرۂ زیبا کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے، یتیموں کے پناہ گاہ اور بیواؤں کے نگہ بان ہیں۔ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم-

مگر محض اِن امور سے ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ صرف علم و معرفت ایمان نہیں، علم و معرفت الگ چیز ہے اور ایمان و اذعان چیزے دیگر۔ علماے یہود کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

”يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ“۔ [۲]

”وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے“۔

لیکن ان کی معرفت ان کے کام نہ آئی۔ ارشاد ہوا:

---

[۱] بخاری، ابواب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام، ج:۱، ص:۱۳۷

[۲] البقرۃ، الآیۃ:۱۴۶

''فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ''[۱]

''جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا؛ اس کے منکر ہو بیٹھے، تو اللہ کی لعنت منکروں پر''۔

معلوم ہوا کہ معرفت کے ساتھ تصدیق و اذعان کا ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے صاحب شرح عقائد نسفی نے ''قدریہ'' کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

بعض قدریہ اس طرف گئے ہیں کہ ایمان محض معرفت کا نام ہے۔ علماے اہل سنت کا ان کے اِس قول کے فاسد اور ناقابل قبول ہونے پر اجماع ہے؛ کیوں کہ اہل کتاب، نبی -ﷺ- کی نبوت کو ایسے پہچانتے تھے، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے، اس کے باوجود ان کا کفر قطعی اور یقینی ہے؛ کیوں کہ وہاں تصدیق نہیں پائی گئی۔ اور اس لیے بھی کہ بعض کافر یقینی طور پر حق کو پہچانتے تھے لیکن عناد و تکبر کی وجہ سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

''وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ''۔ [۲]

''ان کے منکر ہوئے حالاں کہ ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا''۔ [۳]

یہ حقیقت واضح رہے کہ تقدیر الٰہی نے ابو طالب کو جماعت مسلمین میں شمار کیا جانا منظور نہ فرمایا۔ اسی لیے جملہ مفسرین و محدثین اور علماے سلف و خلف کا اس امر پر اجماع و اتفاق ہے کہ ابو طالب کی موت کفر پر ہوئی۔ بکثرت آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، صریحہ، صحیحہ اور اقوال ائمہ سے ابو طالب کا صاحب ایمان نہ ہونا اور خاتمے کے وقت ایمان لانے سے انکار کرنا اور انجام کار اصحاب نار سے ہونا ثابت ہے۔

اس سلسلے میں اولاً چند آیات مقدسہ مع تفسیر، پھر احادیث و آثار، پھر اقوال علما ذکر کیے جائیں گے۔ جن سے یہ امر خوب واضح ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[۱] البقرۃ، آیت: ۸۹

[۲] النمل، آیت: ۱۵

[۳] ملاحظہ ہو: شرح عقائد نسفی، الایمان لا یزید ولا ینقص، ص: ۹۴، رضا اکیڈمی، ممبئی

آیات کریمہ

(۱) قرآن کریم میں ہے:

''اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ''۔ [۱]

''بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کر دو، ہاں! اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو''۔

مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ چناں چہ تفسیر معالم التنزیل، تحت آیت ۲۸/۵۶، ج:۳، ص:۳۸۷، دار الکتب العلمیہ، تفسیر مدارک التنزیل، ج:۳، ص:۲۴۰، دار الکتاب العربي، تفسیر کبیر، ج:۲۵، ص:۲، المطبعۃ البھیہ، مصر، تفسیر کشاف، ج:۳، ص:۴۲۲، دار الکتاب العربي، تفسیر جلالین، تحت آیت مذکورہ، ص:۳۳۲، مجلس برکات، اشرفیہ، مرقات شرح مشکاۃ، کتاب الفتن، باب صفۃ النار، الخ، حدیث:۵۶۶۸ وغیرہ میں یہ صراحت ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔

امام نووی شافعی کا بیان ہے:

''قَدْ أَجْمَعَ الْمُفَسِّرُونَ عَلَى أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِب. وَكَذَا نَقَلَ إِجْمَاعهمْ عَلَى هَذَا الزَّجَّاج وَغَيْره''. [۲]

'' مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ زجاج وغیرہ نے اس پر اُن کا اجماع نقل کیا ہے''۔

تفسیر نسفی میں ہے:

''أجمع المفسرون على أنها نزلت في أبي طالب''. [۳]

---

[۱] القصص، آیت:۵۶

[۲] شرح صحیح مسلم للنووی، تحت آیت ۲۸ /۵۶، ج:۱، ص:۹۷

[۳] تفسیر نسفی، ج:۳، ص:۲۴۰

"مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی"۔

صحیح مسلم و جامع ترمذی میں اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے مروی ہے کہ: رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے اپنے چچا ابوطالب سے اس کی موت کے وقت فرمایا کہ:

چچا "لا الہ الا اللہ" کہہ دو، میں قیامت کے دن تیرے لیے اس کی گواہی دوں گا۔ ابو طالب نے جواب دیا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قریش مجھے عار دلائیں گے کہ موت کی سختی سے گھبرا کر مسلمان ہو گیا، تو میں آپ کی آنکھ ٹھنڈی کر دیتا۔ اس پر اللہ -عزوجل- نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی"۔ [۱]

(۲) "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ"۔ [۲]

"روا نہیں نبی اور ایمان والوں کو کہ استغفار کریں مشرکوں کے لیے، اگرچہ وہ اپنے قرابت والے ہوں، بعد اس کے کہ ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ بھڑکتی آگ میں جانے والے ہیں"۔

یہ آیت کریمہ بھی ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ مدارک التنزیل میں ہے:

"وهمّ عليه السلام أن يستغفر لأبي طالب فنزل: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ". [۳]

"رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے ابوطالب کے لیے استغفار کا ارادہ فرمایا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ نبی کو یہ روا نہیں، الخ"۔

تفسیر جلالین میں ہے کہ:

یہ آیت حضور -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کے اپنے چچا ابوطالب کے لیے استغفار کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ [۴]

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی صحۃ اسلام من حضرہ الموت، ج:۱، ص:۵۳، رقم:۳۹۔
ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ القصص، رقم:۳۱۸۸، ج:۵، ص:۱۹۴

[۲] التوبہ، آیت:۱۱۳

[۳] تحت آیت، ۹/۱۱۳، ج:۲، ص:۱۴۸، دار الکتاب العربی

[۴] تفسیر جلالین، تحت آیت ۹/۱۱۳، ص:۱۶۷، مجلس برکات اشرفیہ

در منثور میں ہے کہ: یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔ [۱]

اسی طرح تفسیر طبری، ج:۱۲، ص:۲۱، تفسیر قرطبی، ج:۸، ص:۲۷۲، تفسیر ابن کثیر، ج:۶، ص:۲۴۶، تفسیر منار، ج:۷، ص:۴۵۲، اور تفسیر مظہری، ج:۱، ص:۱۶۹۳ وغیرہ میں بھی اس کی وضاحت ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔

(۳) ”وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ“۔ [۲]

”وہ اس نبی سے دوسروں کو روکتے اور باز رکھتے ہیں اور خود اس پر ایمان لانے سے بچتے اور دور رہتے ہیں۔ اور اس کے سبب خود وہ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور انھیں شعور نہیں“۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس اور امام مقاتل نے فرمایا:

”نزلت في أبي طالب كان ينهى الناس عن أذى النبي –ﷺ– ويمنعهم و ينأى عن الإيمان به“. [۳]

”یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی، وہ لوگوں کو نبی –ﷺ– کو تکلیف دینے سے روکتے تھے اور خود آپ پر ایمان لانے سے دور رہتے“۔

امام بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا کہ:

یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ لوگوں کو نبی – ﷺ – سے تعرض کرنے سے روکتے اور خود آپ پر ایمان نہیں لاتے۔ [۴]

دلائل النبوۃ للبیہقی میں ہے:

”نزلت في أبي طالب كان ينهى المشركين أن يؤذوا رسول

---

[۱] ج:۷، ص:۵۵۰، مکتبۂ شاملہ

[۲] الانعام، الآیۃ:۲۶

[۳] معالم التنزیل، ج:۲، ص:۵۷، دار الکتب العلمیہ بیروت

[۴] تفسیر بیضاوی، تحت آیت، ۶/۲۶، ج:۲، ص:۴۰۱، دار الفکر، بیروت

الله -ﷺ- و يتباعد عما جاء به". [۱]

"یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی، وہ مشرکین کو رسول اللہ -ﷺ- کی ایذارسانی سے منع کرتے اور خود رسول اللہ -ﷺ- پر ایمان لانے سے باز رہتے"۔

تفسیر در منثور میں فریابی، عبدالرزاق، سعید بن منصور، عبد بن حُمَید، ابن جَرِیر ،ابن المنذر ،ابن ابی حاتم، طبرانی ،ابوالشیخ ،ابن مردویہ، حاکم اور بیہقی سے ہے کہ حضرت ابن عباس کا بیان ہے:

"نزلت في أبي طالب كان ينهى المشركين أن يؤذوا رسول الله -ﷺ- و يتباعد عما جاء به". [۲]

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے:

"ابن عباس يقول في قوله : وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ نزلت في أبي طالب". [۳]

"ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی"۔

تفسیر طبری میں ہے:

"وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ قَالَ : نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِبٍ كَانَ يَنْهَى الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُؤْذُوا مُحَمَّدًا ، وَ يَنْأَى عَمَّا جَاءَ بِهِ". [۴]

"آیت: "وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ" ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی، وہ محمد -ﷺ- سے مشرکوں کو تکلیف دینے سے روکتے اور خود آپ کی تصدیق کرنے سے باز رہتے"۔

تفسیر مظہری میں ہے:

---

[۱] ج:۲، ص:۳۴۱، باب سبب اسلام خفاف بن نضلة الثقفی

[۲] ج:۶، ص:۴۳، مکتبہ شاملہ

[۳] ج:۴، ص:۱۲۷۷، مکتبہ شاملہ

[۴] ج:۹، ص:۲۰۴، مکتبہ شاملہ

"وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ قال ابن عباس: نزلت الآية في أبي طالب". [۱]

"ابن عباس کا قول ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی"۔

ان آیات کریمہ اور ان کے تحت مفسرین کے بیانات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ تمام عمر ابوطالب نے نبی کریم -ﷺ- کی حمایت و کفالت اور نصرت و محبت کی مگر آپ پر ایمان نہ لائے۔

اب اس کے باوجود اگر آج کوئی شخص یہ کہے کہ "جو ابوطالب کو ایمان والا نہ جانے؛ وہ یزیدی ہے" تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس، امام مقاتل، اور جملہ مفسرین و محدثین یزیدی ہیں۔ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات.

احادیث کریمہ

(۱) صحیح مسلم اور جامع ترمذی کی حدیث حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے آیت نمبر (۱) کے شان نزول کے تحت گزر چکی۔

(۲) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت مسیب سے روایت ہے کہ:

جب ابوطالب کی موت کا وقت قریب ہوا، تو نبی -ﷺ- ان کے پاس تشریف لائے، ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ وہاں پہلے سے موجود تھے۔ حضور -ﷺ- نے فرمایا: اے چچا! "لا الہ الا اللہ" پڑھ لو، میں اس کے ذریعہ تمھارے لیے جھگڑا کروں گا۔ ابوجہل اور امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے دین سے اعراض کروگے؟ وہ دونوں ابو طالب سے یہی بات کہتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے آخری بات جو ان سے کہی وہ یہ تھی کہ "میں ابوطالب کے دین پر قائم ہوں" اور "لا الہ الا اللہ" کہنے سے انکار کردیا۔ تو نبیِ

[۱] تفسیر مظہری، ج:۱، ص:۱۱۹۴، مکتبہ شاملہ

کریم -ﷺ- نے فرمایا کہ جب تک کہ مجھے منع نہ کر دیا گیا؛ میں تمھارے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ چناں چہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ''۔

''نبی اور ایمان والوں کو روا نہیں کہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں، اگر چہ وہ اپنے قرابت والے ہوں، بعد اس کے کہ ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ بھڑکتی آگ میں جائیں گے''۔

اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

''اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ''۔

''اے نبی! تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو''۔ [۱]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابوطالب نے ابوجہل اور امیہ کے بہکانے سے موت کے وقت کلمۂ طیبہ پڑھنے سے صاف صاف انکار کر دیا، اور آقاے کریم کی بات نہ مانی۔ اس پر بھی آپ نے وعدہ فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ فرمائے گا؛ میں تمھارے لیے استغفار کروں گا۔ اللہ عزوجل نے ابوطالب کے لیے استغفار سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ مشرک اور دوزخی کے لیے استغفار جائز نہیں، خواہ وہ اپنا قریبی رشتہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عباس -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ -ﷺ- سے عرض کی کہ:

''حضور نے اپنے چچا ابوطالب کو کیا نفع دیا، خدا کی قسم! وہ حضور کی حمایت کرتا اور حضور کے لیے لوگوں سے لڑتا جھگڑتا تھا۔ آقا -ﷺ- نے فرمایا: میں نے اسے آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو کھینچ کر پاؤں تک آگ میں کر دیا۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا''۔ [۲]

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرک عند الموت لا الہ الا اللہ، وکتاب التفسیر، سورۃ القصص، باب قولہ تعالیٰ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ۔ الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی صحۃ اسلام من حضرہ الموت۔

[۲] صحیح البخاری، مناقب الانصار، باب قصۃ ابی طالب۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی -ﷺ- لابی طالب، ج:۱، ص:۱۱۵، مجلس برکات۔

(۴) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو سعید خدری -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کے سامنے ابوطالب کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا:

"امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت اسے نفع دے گی کہ جہنم میں پاؤں تک کی آگ میں کر دیا جائے گا، جو اس کے ٹخنوں تک ہوگی، جس سے اس کا دماغ جوش مارے گا"۔[۱]

(۵) صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- سے روایت ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے فرمایا:

"دوزخیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب پر ہے، وہ آگ کے دو جوتے پہنے ہوئے ہے جس سے اس کا دماغ کھولتا ہے"۔ [۲]

(۶) المعجم الکبیر والاوسط میں ام المومنین ام سلمہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہا- سے روایت ہے کہ حضور اقدس -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا:

"ہر قبر والا جو "لا الہ الا اللہ" کی گواہی نہ دیتا ہو؛ وہ دوزخ کا انگارا ہے۔ میں نے خود اپنے چچا ابو طالب کو سر سے اونچی آگ میں پایا تو اللہ تعالیٰ نے میری قرابت اور اس کے احسان و خدمت کے سبب اسے وہاں سے نکال کر پاؤں تک آگے میں کر دیا"۔ [۳]

اگر ابوطالب صاحب ایمان ہوتے تو انھیں عذاب کیوں دیا جاتا؟ واضح رہے کہ ابو طالب کے عذاب میں تخفیف، نبی پاک -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی خصوصیات میں سے ہے۔

(۷) سنن ابی داود میں سیدنا علی -کرم اللہ وجہہ الکریم- سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- سے عرض کی کہ:

"یارسول اللہ! حضور کا وہ بڈھا گم راہ چچا مر گیا، فرمایا: جا، اسے دبا آ، اور واپسی تک کوئی نیا کام نہ کرنا، حضرت علی کہتے ہیں: میں گیا، اسے ایک گڈھے میں دبا دیا، پھر حضور کے

---

[۱] مصدر سابق بتفصیل سابق
[۲] الصحیح لمسلم، بتفصیل سابق
[۳] المعجم الکبیر، حدیث: ۹۷۲، المعجم الاوسط، حدیث: ۷۳۸۵

پاس آیا، حضور نے مجھے غسل کا حکم دیا اور مجھے دعا دی"۔ [۱]

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی -کرم اللہ وجہہ- نے عرض کی:

"ان عمك الشيخ الكافر، قد مات فما ترىٰ فيه؟"

"حضور کا بوڑھا کافر چچا مر گیا، اس کے بارے میں حضور کی کیا رائے ہے؟ حضور نے فرمایا: غسل دے کر چھپا دو"۔ [۲]

امام شافعی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی نے عرض کی:

"يا رسول الله ! انه مات مشركا"۔

"اے اللہ کے رسول! وہ تو مشرک مرا"۔

رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے فرمایا:

"اذهب فواره".

"جاؤ، اسے دبا آؤ"۔ [۳]

مقام غور ہے کہ ابوطالب کی موت پر خود مولائے کائنات حضرت علی -کرم اللہ وجہہ- بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ حضور کا گم راہ، کافر و مشرک چچا مر گیا۔ اگر ابو طالب صاحب ایمان ہوتے تو حضرت علی ایسا ہرگز نہ کہتے۔ اور رسول گرامی -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- ضرور اس کا انکار فرماتے، بلکہ مسلمان ہونے کی صورت میں جنازے میں شرکت فرماتے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ نہ انکار فرمایا، نہ جنازے میں شرکت فرمائی، بلکہ فرمایا: نہلا کر دبا دو۔

نیز اگر ایمان پر خاتمہ ہوا ہوتا تو کسی حدیث میں ضرور ذکر آتا کہ حضور نے اپنے چچا کے جنازے میں شرکت فرمائی، جیسا کہ ابو طالب کی زوجہ اور مولی علی کی والدہ مکرمہ حضرت فاطمہ بنت اسد -رضی اللہ تعالیٰ عنہا- کا جب وصال ہوا تو حضور اقدس -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے

---

[۱] کتاب الجنائز، باب الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک۔

[۲] المصنف لابی شیبۃ، کتاب الجنائز، باب فی الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک، ج:۳، ص:۳۴۸، ادارۃ القرآن، کراچی

[۳] نصب الرایۃ، کتاب الصلاۃ، فصل فی الصلاۃ علی المیت، ج:۲، ص:۲۸۲، مؤسسۃ الریان، بیروت -لبنان۔

کمال شفقت فرماتے ہوئے، اپنی چادر اور قمیص مبارک میں انھیں کفن دیا، دست اقدس سے لحد کھودی، مٹی نکالی، پھر ان کے دفن سے پہلے خود ان کی قبر شریف میں لیٹے اور انھیں اپنی والدہ قرار دیا، ان کی بخشش اور قبر کی وسعت کی دعا فرمائی۔ [۱]

اگر ابو طالب کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہوتا تو وہ حضرت فاطمہ بنت اسد سے زیادہ اعزاز و اکرام کے مستحق ہوتے۔ اور سیدنا علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کی ایمانی قوت ملاحظہ ہو، کہ باپ کے انتقال پر حضور اکرم سے عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! وہ تو مشرک مرا۔ تو کیا حضرت علی بھی یزیدی ہیں جو خود اپنے باپ کو کافر و مشرک قرار دے رہے ہیں؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

(۸) صحیح بخاری و مسلم میں امام زین العابدین علی بن حسین بن علی - رضی اللہ تعالیٰ عنہم - کا بیان ہے کہ:

"ابو طالب کا ترکہ عقیل و طالب کو ملا، اور جعفر و علی -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- کو کچھ نہ ملا، یہ دونوں حضرات ابو طالب کی موت کے وقت مسلمان تھے، اور طالب کافر تھا، اور اس وقت تک عقیل ایمان نہیں لائے تھے"۔ [۲]

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ابو طالب کی موت کفر پر ہوئی، اسی لیے حضرت علی و حضرت جعفر جو اس وقت مسلمان تھے، ابو طالب کے ترکہ سے محروم رہے۔ کہ کافر کا ترکہ مسلمان کو نہیں ملتا۔ کما لا یخفیٰ۔

(۹) الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن جب حضرت ابو قحافہ ایمان لائے تو حضرت صدیق اکبر نے عرض کی:

"والذي بعثك بالحق لأنا كنت أشد فرحا بإسلام أبي طالب مني بإسلام أبي". [۳]

---

[۱] ملاحظہ ہو مجمع الزوائد، کتاب المناقب، باب مناقب بنت اسد، ج:۹، ص:۲۵۷، دار الکتاب العربی، بیروت

[۲] صحیح البخاری، کتاب المناسك، باب توريث دور مكة، ج:۱، ص:۲۱۶۔
الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب النزول بمكة وتوريث دورها، ج:۱، ص:۴۳۶

[۳] ج: ۷، ص: ۲۳۸، حرف الطاء المهملة

”قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا! اگر ابو طالب اسلام لاتے تو مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی“۔

(۱۰) حلیہ میں سیدنا علی -کرم اللہ وجہ- سے روایت ہے کہ رسول اللہ -ﷺ- نے فرمایا:

”اللہ عزوجل کی مشیت میرے چچا عباس کے مسلمان ہونے میں تھی، اور میری خواہش یہ تھی کہ میرا چچا ابو طالب مسلمان ہو، تو مشیت ایزدی میری خواہش پر غالب آئی“ (کہ ابوطالب کافر رہا، اور عباس -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- مشرف بہ اسلام ہوئے)۔ [۱]

ابو طالب کی حالت کفر میں موت کے بارے میں کُل دس احادیث صحیحہ کا ہم نے انتخاب کیا۔ جن سے یہ امر خوب روشن ہو گیا کہ نبیِ کریم -ﷺ- ، حضرت ابو بکر، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ام سلمہ، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام شافعی -رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین- کے نزدیک بھی ابو طالب، صاحب ایمان نہ تھے۔

توکیا اب بھی کوئی سنی مسلمان یہ کہنے کی جراءت و جسارت کر سکتا ہے کہ:

”جو ابو طالب کو ایمان والا نہ جانے؛ وہ یزیدی ہے؟“

علما و ائمہ کے اقوال

خاتمے کا صحیح حال اللہ و رسول سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟ اور جب آیات و احادیث کی روشنی میں ابو طالب کا ایمان والا نہ ہونا ثابت ہو گیا تو اس سلسلے میں مزید کسی دلیل کی حاجت نہ رہی۔ مگر توضیح مزید کے پیش نظر کچھ اور ائمہ و علما کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

---

[۱] کنزالعمال، رقم: ۳۴۴۳۹، ج: ۱۲، ص: ۱۵۲، مکتبہ شاملہ

"ابو طالب عمه ﷺ مات كافرا". [۱]

"نبی -ﷺ- کے چچا ابو طالب کی موت کفر پر ہوئی"۔

(۲) ہدایہ باب الجنائز میں ہے:

"وإذا مات الكافر وله ولي مسلم فإنه يغسله و يكفنه و يدفنه، بذلك أمر علي -رضي الله عنه- في حق أبيه أبي طالب". [۲]

"جب کافر مر جائے اور اس کا کوئی مسلمان رشتہ موجود ہو تو وہ اس کو غسل دے اور کفن پہنا کر دفن کر دے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے باپ ابو طالب کے بارے ایسا ہی حکم دیا گیا"۔

(۳) البحر الرائق میں ہے:

"يغسل وليُّ مُسلِم الكافرَ وَ يُكَفِّنُهُ وَ يَدْفِنُهُ. بِذَلِكَ أُمِرَ عَلِيٌّ -رضي اللهُ تعالىٰ عنه- أَنْ يَفْعَلَ بِأَبِيهِ حين مَاتَ". [۳]

" مسلمان رشتہ دار، کافر کو غسل دے، کفن پہنائے اور دفن کرے۔ حضرت علی مرتضیٰ کو ایسا ہی حکم دیا گیا، جب ان کا باپ مر گیا"۔

کتب حدیث وفقہ میں بکثرت اس طرح کی نقول موجود ہیں جیسا کہ اہل علم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ علمائے کرام ابو طالب کو کافر جانتے ہیں۔

(۴) چناں چہ امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں "باب الرجل يموت له قرابة مشرك". اور

(۵) امام نسائی نے اپنی سنن میں "باب مواراة المشرك" میں ابو طالب کے کفر پر مرنے کی حدیث ذکر کی۔

(۶) سیدنا امام مالک نے موطا میں "باب التواثر بين اهل الملل".

---

[۱] الفقہ الاکبر، ص:۲۱، ملک سراج الدین اینڈ سنس پبلیشر کشمیری بازار، لاہور

[۲] فصل فی الصلاۃ علی المیت، ج:۱، ص:۱۶۱، ۱۶۲، مجلس برکات

[۳] کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلاتہ، ج:۲، ص:۲۰۵، دار المعرفہ، بیروت

(۷) سیدنا امام محمد بن حسن نے اپنی موطا میں ”باب لایرث المسلم الکافر“ منعقد فرما کر ابو طالب کے کفر پر موت کی صراحت فرمائی۔

(۸) شیخ علی متقی، مکی نے کنز العمال میں ایک باب: ”الباب السادس فی اشخاص لیسوا من الصحابۃ“ منعقد فرما کر ابو طالب اور ابو جہل کے صحابی نہ ہونے کا تذکرہ کیا۔

(۹) حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”الاصابہ فی تمیز الصحابہ“ میں ابو طالب کو ان لوگوں میں شمار کیا جنھیں صحابی کہنا غلط اور باطل ہے۔ تفصیل درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”عبد المطلب اور ان کے گھر والوں کے بارے میں ہمیں امید ہے کہ وہ امتحانی آگ میں جا کر نجات پا جائیں گے“۔

”ولكن ورد فى ابى طالب ما يدفع ذلك، وهو ما تقدم من آية براءة و ما فى الصحيح أنه فى ضحضاح من النار، فهذا شان من مات على الكفر. فلو كان مات على التوحيد لنجا...والاخبار المتكاثرة طافحة بذلك“۔[۱]

”مگر ابو طالب کے حق میں وہ وارد ہو چکا جو اسے دفع کرتا ہے، یعنی سورہ توبہ کی آیت اور حدیث صحیح کا ارشاد کہ وہ پاؤں تک کی آگ میں ہے۔ یہ حال اس کا ہے جو کافر مرے، اگر توحید پر مرتا تو جہنم سے نجات کلی حاصل ہوتی۔ جب کہ صحیح و کثیر حدیثیں ابو طالب کا کفر ثابت کر رہی ہیں“۔

(۱۰) یہی امام ابن حجر عسقلانی اس کے آگے فرماتے ہیں کہ:

جب نفس ذکیہ امام محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب نے خلیفۂ عباسی ابو جعفر منصور کے خلاف خروج فرمایا تو ان میں اور خلیفہ منصور میں خط و کتابت کا دور چلا، منصور نے اپنے ایک خط میں لکھا:

---

[۱] الاصابہ، حرف الطاء، القسم الرابع: ابو طالب، ج:۴، ص:۱۱۸، دار صادر، بیروت

"قد بعث النبي ﷺ و له اربعة اعمام، فآمن به اثنان، احدهما ابي، و كفر به اثنان، احدهما ابوك".

"یعنی نبی کریم -ﷺ- نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو حضور کے (چار چچا جو باحیات تھے، حمزہ و عباس، ابوطالب و ابولہب، ان میں) دو چچا حضور پر ایمان لائے، ان میں ایک میرے باپ، (حضرت عباس -رضی اللہ تعالیٰ عنہ-) ہیں، اور دو کافر رہے، ان میں ایک آپ کے باپ (ابوطالب) ہیں"۔

منصور کا یہ خط جب حضرت نفس ذکیہ کو موصول ہوا تو انھوں نے اس کا رد نہ فرمایا، جو اس بات پر دلیل ہے کہ ابوطالب کا کفر مشہور و معروف بات تھی، اہل بیت بھی اس سے بخوبی واقف تھے۔ [۱]

(۱۱) یہی امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

"من عجائب الاتفاق ان الذين ادركهم الإسلام من اعمام النبي -ﷺ- أربعة لم يسلم منهم اثنان واسلم اثنان وكان اسم من لم يسلم ينافي أسامي المسلمين وهما أبو طالب واسمه عبد مناف وأبو لهب واسمه عبد العزى بخلاف من اسلم وهما حمزة والعباس". [۲]

"یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضور -ﷺ- کے چار چچا جنھوں نے اسلام کا زمانہ پایا، ان میں سے دو اسلام نہ لائے، اور دو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ وہ دو جو اسلام نہ لائے، ان کے نام پہلے ہی سے مسلمانوں کے نام کے خلاف تھے، ابوطالب کا نام عبد مناف تھا، اور ابو لہب کا عبدالعزیٰ، اور دو جو مشرف بہ اسلام ہوئے، ان کے نام اسلامی تھے، اور وہ حمزہ و عباس ہیں۔ -رضی اللہ تعالیٰ عنہما-

(۱۲) قاضی حسین بن محمد مالکی نے تاریخ الخمیس میں کفر کی قسمیں بیان کرتے ہوئے کفر

---

[۱] حرف الطاء، القسم الرابع ابوطالب، ج:۴، ص:۱۱۸، دار صادر، بیروت۔

[۲] فتح الباری، کتاب المناقب، باب قصۃ ابی طالب، ج:۷، ص:۱۹۶۔

عناد کے بارے میں فرمایا:

کفر عناد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے بھی جانے، اور زبان سے اس کا اعتراف بھی کرے، لیکن اذعان و ایمان کے ساتھ اسے قبول نہ کرے۔ جیسے ابوطالب کا کفر۔[۱]

(۱۳) علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں بعینہٖ یہی بات فرمائی ہے۔[۲]

(۱۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوہ میں فرماتے ہیں:

"حدیث حدیث اثبات کردہ است برائے ابوطالب کفررا"۔[۳]

"صحیح حدیث نے ابوطالب کے کفر کو ثابت کر دیا ہے"۔

(۱۵) بحرالعلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی فرماتے ہیں:

"احادیث کفرہ شہیرۃ".[۴]

"ابوطالب کے کفر کی حدیثیں مشہور و معروف ہیں"۔

پھر آپ نے آیت کریمہ "انك لا تهدی من احببت" اور موطا امام مالک کی حدیث سے اس کا اثبات فرمایا۔

(۱۶) امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

"لأن أبا طالب أدرك البعثة ولم يسلم".[۵]

"ابوطالب نے اسلام کا زمانہ پایا، اور اسلام سے مشرف نہ ہوا"۔

(۱۷) علامہ زرقانی، ابوطالب کے ایمان کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"القول باسلام ابی طالب لا یصح، قاله ابن عساکر وغیرہ".[۶]

---

[۱] تاریخ الخمیس، وفات ابوطالب، ج:۱، ص:۳۰۱، موسسۃ شعبان بیروت

[۲] ملاحظہ ہو: شرح الزرقانی علی المواہب، وفاۃ خدیجۃ و ابی طالب، ج:۱، ص:۲۹۵، دار المعرفۃ، بیروت۔

[۳] مدارج النبوہ، وفات یافتن ابوطالب، ج:۲، ص:۴۸، مکتبہ نوریہ سکھر، پاکستان۔

[۴] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ج:۱، ص:۱۵۳، منشورات الشریف رضی، قم، ایران۔

[۵] الحاوی للفتاویٰ، ج:۲، ص:۱۹۷۔

[۶] شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الثانی، الفصل الرابع، ج:۳، ص:۲۸۶۔

ابوطالب کو مسلمان جاننا غلط ہے، امام ابن عساکر وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

(۱۸) ردالمحتار شرح درمختار، باب المرتدین میں اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ:

جس شخص سے اسلام کے اقرار کا مطالبہ ہو، اور وہ اقرار نہ کرنے پر مصر ہو؛ وہ بالاتفاق کافر ہے کہ یہ دل میں تصدیق نہ ہونے کی علامت ہے، اس کے بعد فرمایا:

”وَلِهَذَا أَطْبَقُوا عَلَى كُفْرِ أَبِي طَالِبٍ“. [۱]

”اسی لیے تمام علما نے ابوطالب کے کفر پر اجماع کیا ہے“۔

(۱۹) مرقات شرح مشکاۃ میں شیخ علی قاری کا بیان ہے:

”ابو طالب لم یومن عند اهل السنة“. [۲]

”اہل سنت کے نزدیک ابوطالب مسلمان نہیں“۔

(۲۰) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا –قدس سرہٗ– فرماتے ہیں:

”جب ابوطالب کا کفر ادلہ ٔ کالنہار سے آشکار تو ”رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ کہنے کا کیوں کر اختیار۔ اگر اختیار ہے تو اللہ تعالیٰ عزوجل پر افترا، کفار کو رضائے الٰہی سے بہرہ۔۔۔ ابو طالب کے بارے میں اگرچہ قول حق و صواب، وہی کفر و عذاب، اور اس کا خلاف شاذ و مردود، و باطل مطرود، پھر بھی اس حد کا نہیں کہ معاذ اللہ خلاف پر تکفیر کا احتمال ہو“۔ [۳]

علما و ائمہ کی ان تصریحات سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ مذہب حق و صواب یہی ہے کہ رسول اللہ –ﷺ– کی کفالت و نصرت و حمایت کے باوجود ابو طالب مشرف بہ اسلام نہ ہوئے، اور خاتمہ کفر پر ہوا۔

اور دلائل و براہین کی روشنی میں اس باطل اور گم راہ کُن نظریے کی بخوبی تردید ہو گئی کہ ”جو ابوطالب کو ایمان والا نہ جانے؛ وہ یزیدی ہے“۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

---

[۱] ردالمحتار، کتاب السیر، ج:۱۶، ص:۲۵۲

[۲] کتاب الفتن، حدیث:۵۴۵۸، ج:۹، ص:۳۶۰، المکتبۃ الحبیبیۃ، کوئٹہ

[۳] ملاحظہ ہو: رسالہ شرح المطالب فی مبحث ابی طالب، مشمولہ فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۹، ص:۳۸ـ۷، و ص:۷۴۱، مرکز اہل سنت پور بندر گجرات، مطبوعہ رجب ۱۴۲۶ھ

شبہات کا جائزہ

اب ہم اُن شبہات کا جائزہ لیتے ہیں جن کی بنا پر کچھ لوگوں نے ابو طالب کو ایمان والا قرار دیا۔

پہلا شبہہ: سب سے پہلے ایک رافضی نے رسالہ ”اسلام ابی طالب“ لکھ کر ابو طالب کا صاحب ایمان ہونا ثابت کیا۔ اس رسالے میں سیرت ابن اسحاق کے حوالے سے ایک روایت شاذہ ذکر کی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے:

ابو طالب کے مرض الموت میں اشراف قریش ان کے پاس آئے اور کہا کہ محمد -ﷺ- کو سمجھا دیں کہ وہ ہمارے دین سے تعرض نہ کریں۔ ابو طالب نے خدمت اقدس میں عرض کی۔ حضور نے فرمایا: یہ ایک بار ”لا الہ الا اللہ“ کہہ لیں۔ اس پر کافر تالیاں بجا کر بھاگ نکلے۔ ابو طالب نے کہا: خدا کی قسم! حضور نے کوئی بے جا بات تو ان سے نہ چاہی تھی۔ ابو طالب کی اس بات سے حضور کو امید ہوئی کہ شاید یہ مسلمان ہو جائے، چناں چہ حضور نے بار بار فرمانا شروع کیا: اے چچا! تو ہی کہہ لے؛ تاکہ روز قیامت تیری شفاعت کروں۔ جب ابو طالب نے حضور کی شدتِ خواہش ملاحظہ کی تو کہا: خدا کی قسم! اگر مجھے لوگوں کے طعن و تشنیع کا خوف نہ ہوتا تو میں کلمہ پڑھ لیتا کہ حضور خوش ہو جائیں۔

یہ باتیں حالت نزاع میں ہو رہی تھیں، جب روح نکلنے کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس نے ان کے لبوں پر حرکت محسوس کی، کان لگا کر سنا تو حضور اقدس -ﷺ- سے عرض کی:

”یا ابن أخي! واللہ ! لقد قال أخي الكلمة التي أمرته أن يقولها، قال : فقال رسول اللہ : -ﷺ- لم اسمع“.[۱]

”اے میرے بھتیجے! خدا کی قسم! میرے بھائی نے وہ بات کہہ لی جو حضور اس سے

---

[۱] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، وفاۃ ابی طالب و خدیجۃ، ج:۲، ص:۲۶۵

کہلواتے تھے، حضور اقدس-ﷺ- نے فرمایا: میں نے وہ بات نہیں سنی"۔

یہ ہے اس روایت شاذہ مجہولہ کا خلاصہ جس کی بنیاد پر بعض لوگوں نے ابوطالب کا ایمان ثابت کیا۔

شبہہ کا جواب: اہل سنت کے لیے تو یہی جواب کافی ہے کہ اس شاذ و مردود روایت سے دلیل لانے والا ایک رافضی ہے۔ جب کہ اکابر علما و ائمۂ اہل سنت نے اس کا رد بلیغ کیا ہے۔ چناں چہ امام بیہقی نے فرمایا:

"انه منقطع"[۱]. "یہ روایت منقطع ہے"۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

"فی سنده من لم یسم".[۲]

"اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کا نام ہی نہیں لیا گیا"۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

"روایة ابن اسحاق ضعیفة، فیه من لم یسم.[۳]

"ابن اسحاق کی یہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کا نام مذکور نہیں"۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"میں نے ایک رافضی کا رسالہ دیکھا جس میں اس نے بعض روایات سے ابوطالب کا اسلام ثابت کرنا چاہا ہے۔ انھیں میں سے ابن اسحاق کی روایت ہے:

"اسانید هذه الاحادیث واهیة".

ان سب حدیثوں کی سندیں واہی ہیں"۔[۴]

[۱] تاریخ الخمیس، وفات ابی طالب، ج:۱، ص:۳۰۰، موسسۃ شعبان، بیروت

[۲] کتاب المناقب، باب قصۃ ابی طالب، رقم:۳۸۸۳، ج:۱۷، ص:۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت

[۳] شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الاول، وفاۃ خدیجۃ وابی طالب، ج:۱، ص:۲۹۱، دار المعرفۃ، بیروت

[۴] الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، حرف الطاء، القسم الرابع، ابوطالب، ج:۴، ص:۱۱۶، دار صادر، بیروت

ثابت ہوا کہ فن حدیث کے ماہرین کے مطابق ابن اسحاق کی مذکورہ روایت ضعیف و مردود ہے۔ پھر قرآن و حدیث کی صاف صریح عبارات کے مطابق اس کی کیا حیثیت کہ اس واہی روایت سے ابو طالب کا ایمان ثابت کیا جائے؟ اور اللہ و رسول اور علماے ملت کے ارشادات و فرمودات سے صرف نظر کیا جائے؟

بلکہ بالفرض اگر اس کی سند صحیح بھی ہوتی تو بھی متن کے اعتبار سے شاذ ہی ہوتی، اور بہر حال مردود و غیر معتبر قرار پاتی۔

عمدۃ القاری میں ہے:

”ولو کان صحیحا لعارضه حديث الباب لانه اصح منه فضلا عن انه لم يصح“۔[۱]

” اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تو اس باب میں وارد حدیث اس کے معارض ہوتی؛ کیوں کہ وہ اس سے اصح ہے چہ جائے کہ یہ صحیح ہی نہیں“۔

نیز انہی حضرت عباس کی روایت گزر چکی کہ ” انھوں نے حضور -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- سے دریافت کیا کہ حضور نے اپنے چچا کو کیا نفع دیا؟ حضور نے جواب میں فرمایا: وہ تو سر سے پیر تک عذاب میں تھا، میری وجہ سے ٹخنوں تک کی آگ میں ہے“۔

اگر حضرت عباس، ابو طالب کو صاحب ایمان جانتے تو اس سوال کی کیا حاجت تھی؟

نیز ابو طالب کی موت کے وقت عباس ایمان ہی نہیں لائے تھے۔ انھوں نے تو فتح مکہ کے موقع پر اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ اور جنگ بدر میں قریش مکہ کی جانب سے شرکت کی اور قید بھی ہوئے۔

نیز ابو طالب کے کلمہ پڑھنے کو حضور اقدس -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے بھی نہیں سنا، تو کیا ایک شخص کی گواہی وہ بھی حالت کفر میں قابل قبول ہو سکتی ہے؟

اور اگر اس روایت کی صحت تسلیم کر لی جائے تو کیا حالت غرغرہ میں ایمان لانا مقبول ہو سکتا ہے؟ ایمان تو وہ معتبر ہے جو بن دیکھے ہو۔ قال تعالیٰ: يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔

---

[۱] باب مناقب الانصار، رقم: ۳۸۸۳، ج: ۱۷، ص: ۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سکرات موت سے پہلے پہلے قبول فرماتا ہے۔ [۱]

دوسرا شبہہ: ابتداے تمہید میں صحیح بخاری کے حوالے سے ابو طالب کے قصیدے کا ایک شعر گزرا۔ جس میں ابو طالب نے نبی کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی تعریف و توصیف بیان کی ہے، بعض روافض نے اسی قصیدے کی بنیاد پر انھیں صاحب ایمان گردانا۔

شبہہ کا جواب: صریح و صحیح حدیثیں گزر چکیں جو اس نظریے کو رد کر رہی ہیں۔ اور خود آیت کریمہ: ''انك لا تهدى من احببت'' سے ابو طالب کا ہدایت یافتہ نہ ہونا ثابت کہ جمہور ائمہ کے نزدیک یہ آیت ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

اور صرف نبی کی نعت لکھنے اور کہنے سے ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اُن علماے یہود کو بھی صاحب ایمان مانا جائے جو آپ کی تعریف تو کرتے تھے، مگر آپ کی تصدیق سے کتراتے تھے۔ حالاں کہ اللہ رب العزت نے انھیں کافر قرار دیا۔ اور ان پر لعنت بھیجی۔ ارشاد ہے:

''فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ''۔ [۲]

''جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس کے منکر ہو بیٹھے، تو اللہ کی لعنت منکروں پر''۔

نیز بہت سے غیر مسلم شعرا -جیسے چکبست، فراق گورکھ پوری وغیرہ- نے نبی -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی نعت لکھی، تو کیا اس کی وجہ سے انھیں ایمان والا مانا جائے گا؟

تیسرا شبہہ: نبی کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی کفالت۔

شبہہ کا جواب: نبی کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی کفالت اور پرورش کرنے سے بھی ایمان کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ فرعون کو بھی صاحب ایمان مانا جائے کہ اس نے حضرت

---

[۱] ملاحظہ ہو جامع ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی فضل التوبۃ، الخ، ج:۵، ص:۵۴۷، رقم:۳۵۳۷

[۲] البقرۃ، آیت:۸۹

موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔

چوتھا شبہہ: نبی کریم ﷺ کی نصرت وحمایت۔

شبہہ کا جواب: یہ صحیح ہے کہ ابو طالب نے عمر بھر نبی -ﷺ- کی نصرت وحمایت کی۔ مگر محض نصرت وحمایت ایمان کو مستلزم نہیں۔ جب تک نبیِ کریم -ﷺ- کی نصرت و حمایت کے ساتھ آپ -ﷺ- پر ایمان اور قرآن حکیم کی تصدیق و اتباع نہ پائی جائے، انسان فلاح نہیں پاسکتا۔ ارشاد ہے:

”فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“۔ [۱]

”جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور اس کی نصرت و مدد کی اور جو نور اس نبی کے ساتھ اتارا گیا، اس کے پیرو ہوئے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں“۔

نیز اعتبار خاتمے کا ہے۔ اور جب ابو طالب کا کفر پر مرنا، قرآن و حدیث سے ثابت تو کفالت و نصرت سے دلیل لانا درجۂ اعتبار سے ساقط اور کالعدم ہے۔

الحمد للہ! قرآن و حدیث اور علمائے اہل سنت کی ان تصریحات سے شبہات کے بادل چھنٹ گئے اور ایمان ابو طالب کی قلعی کھل گئی، ابو طالب کو ایمان والا جاننے کی کوئی راہ نہ رہ گئی۔ [۲]

تنبیہ: اب ہم اخیر میں ایک اہم امر کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتے ہیں، وہ یہ کہ:

قرآن و حدیث اور اقوال علما و ائمہ کی روشنی میں ابو طالب کا کفر اور عذاب نار کا مستحق ہونا محقق و مسلم، مگر ابو طالب کو ابو جہل، ابو لہب اور ابلیس کے ہم مثل قرار دینا انصاف سے

---

[۱] الاعراف، الآیۃ:۱۵۷

[۲] اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت -قدس سرہٗ- کے رسالہ ”شرح المطالب فی مبحث ابی طالب“ کی طرف رجوع کریں کہ اس باب میں یہ رسالہ اپنی نظیر آپ ہے، ناچیز نے بھی اس سے خوب استفادہ کیا ہے۔

دوراور محض افراط ہے کہ ابوطالب کی ساری عمر، حضور ﷺ کی خدمت اور نصرت و حمایت میں کٹی، جب کہ یہ دشمنان دین، خفیہ وعلانیہ آپ کوایذادیتے رہے، ان اشقیا کے لیے جہاں شدید ترین عذاب ہے، وہیں ابوطالب کے لیے تمام کفار میں سب سے ہلکا عذاب۔

اور دونوں کا ثبوت کفر بھی ایک جیسا نہیں، ابوجہل، ابولہب اور ابلیس کا کفراور ان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہونا ضروریات دین سے ہے، جس کا منکر خود جہنمی اور کافر ہے، مگر ابوطالب کا کفر وعذاب اگرچہ قول حق وصواب، مگر ابوجہل وابولہب جیسا نہیں۔ نہ فریقین کا کفر یکساں، نہ اس کا ثبوت؛ اسی لیے سزا بھی جدا جدا۔ تو پھر مماثلت کہاں رہی۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ وصلی اللہ تعالی علی النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

تعارفِ مؤلف، ایک نظر میں

از : مولانا عبد القدوس مصباحی
دارالعلوم فیض رضا، شاہین نگر، حیدرآباد، تلنگانہ۔

نام: محمد صادق۔

جامعہ اشرفیہ کے محبوب اور نام ور ابنائے قدیم سے ایک آپ بھی ہیں؛ اسی مناسبت سے آپ اپنے نام کے آگے ''مصباحی'' لگاتے ہیں۔

والد کا نام: منشی رمضان علی۔

والدہ کا نام: سنتی خاتون۔

سلسلۂ نسب:

محمد صادق، بن منشی رمضان علی، بن سردار علی، بن بدھئی، بن ناظر علی انصاری۔

تاریخ ولادت: ۲۵ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ / ۲ر جنوری ۱۹۸۱ء، بہ روز: جمعہ مبارکہ۔

جاے ولادت : مقام و پوسٹ: پرسونی بازار، تحصیل: نچلول بازار، ضلع: مہراج گنج، یو۔پی۔ [موضع ''پرسونی'' مہراج گنج شہر سے ۲۰ر کلو میٹر شمال کی جانب ہے، اور مہراج گنج سے براہِ قصبہ ''چوک'' نچلول جاتے ہوئے راستے میں ہے]

خاندانی پس منظر: آپ کے خاندان کو قرب وجوار میں ایک زمانے سے امتیازی شان اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ اخوت وبھائی چارگی، اور ہر ممکن دوسروں کی حاجت روائی، آپ کے خاندان کا وتیرہ ہے۔ نیک نامی، خوش اخلاقی، ملنساری، اور تقویٰ وپرہیز گاری میں بھی آپ کا خاندان معروف ہے۔

نشو و نما: آپ ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے، اور والدین کریمین کے زیر سایہ دینی ماحول میں پروان چڑھے ہیں۔ چوں کہ والد گرامی ایک بے نفس اور مخلص انسان ہیں، صوم وصلاۃ کے بے حد پابند ہیں، اور اولاد کی تربیت میں بہت سخت ہیں؛ اس لیے اس ماحول نے آپ کی شخصیت کو سنوارنے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ اور والد گرامی کی خصوصی تربیت و ذہن سازی نے ابتدا ہی سے آپ کو علم و عمل کا شیدائی بنا دیا۔

تعلیم و تربیت: آپ نے شعور و آگہی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی تعلیمی سفر کا آغاز فرمایا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی۔ پھر مزید دینی و عصری علوم کے حصول کی طرف مائل ہوئے، اور درج ذیل درس گاہوں اور دانش گاہوں سے اپنی علمی تشنگی بجھائی:

[۱] دار العلوم قدوسیہ اہل سنت فخر العلوم، پرسونی بازار، ضلع مہراج گنج، یو۔پی۔
[از ابتدا تا درجۂ پنجم و ابتدائی عربی و فارسی]

[۲] جامعہ معینیہ، موہنا پور ڈھالا، پوسٹ لکشمی پور، ضلع مہراج گنج، یو۔پی۔
[از شوال المکرم ۱۴۱۳ھ / اپریل ۱۹۹۳ء تا شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ / دسمبر ۱۹۹۴ء]
[۲؍سال- درجۂ اعدادیہ، اولیٰ]

[۳] جامعہ امجدیہ رضویہ، پوسٹ گھوسی، ضلع مئو، یو۔پی۔
[از شوال المکرم ۱۴۱۵ھ / فروری ۱۹۹۵ء تا شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ / دسمبر ۱۹۹۷ء]
[۲؍سال- درجۂ ثانیہ، ثالثہ]

[۴] دار العلوم اہل سنت اشرفیہ مصباح العلوم، -جامعہ اشرفیہ - قصبہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یو۔پی۔
[از شوال المکرم ۱۴۱۷ھ / مارچ ۱۹۹۷ء تا شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ / دسمبر ۲۰۰۳ء]
[۷؍سال- درجۂ رابعہ، خامسہ، سادسہ، سابعہ، فضیلت، (۵؍سال) اور تخصص فی الفقہ (۲؍سال)]

[۵] علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔
[از جولائی ۲۰۰۳ء تا مئی ۲۰۰۴ء (۱؍سال) MA - سال اول]

اساتذۂ کرام: آپ نے جن آفتاب و ماہ تاب جیسے شیوخ و اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، اور علم و فضل کی لازوال دولت حاصل کی، ان کے اسماے گرامی یہ ہیں:

اساتذۂ فخر العلوم، پرسونی بازار، مہراج گنج :

[۱] مولوی محمد سلیم [۲] مولانا عبد الرحمٰن (رحمہ اللہ تعالی) [۳] مولانا سمیع اللہ [۴] مولانا محمد اسلام (مرحوم) [۵] مولانا محمد نظام الدین [۶] مولوی محمد ضمیر (مرحوم) [۷] ماسٹر نور الحق [۸] ماسٹر نور اللہ۔ [۹]حافظ محمد ابراہیم۔

اساتذۂ جامعہ معینیہ، موہنا پور، مہراج گنج :

[۱۰] مولانا غلام وارث فیضی (مرحوم) [۱۱]مولانا غلام حسین نظامی [۱۲] مولانا ضمیر احمد لطیفی [۱۳] مولانا محمد ہاشم فیضی [۱۴] ماسٹر محمد غیاث الدین، مرحوم۔

اساتذۂ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو :

[۱۵] مفتی محمد حبیب اللہ خاں مصباحی [۱۶]مولانا صدر الوریٰ قادری، مصباحی [۱۷] مولانا عبد الرحمٰن مصباحی [۱۸] مفتی آل مصطفیٰ مصباحی [۱۹]مولانا محمد صدیق مصباحی[۲۰] مولانا علاء المصطفیٰ قادری [۲۱] مولانا شمشاد احمد مصباحی [۲۲] مولانا ابو الحسن مصباحی۔

اساتذۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ :

[۲۳] حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، مصباحی [۲۴] حضرت علامہ محمد احمد مصباحی [۲۵] علامہ عبد الشکور مصباحی [۲۶] مفتی محمد نظام الدین رضوی، مصباحی [۲۷] مولانا اسرار احمد مصباحی [۲۸] مولانا محمد نصیر الدین مصباحی [۲۹] مولانا اعجاز احمد مصباحی (رحمہ اللہ تعالیٰ)[۳۰] مولانا عبد الحق رضوی، مصباحی [۳۱] مفتی بدر عالم مصباحی [۳۲] مولانا شمس الہدیٰ مصباحی[۳۳] مفتی معراج احمد مصباحی [۳۴] مولانا محمد مسعود مصباحی[۳۵] مولانا ناظم علی مصباحی [۳۶] مولانا مقبول احمد سالک مصباحی [۳۷] مولانا نفیس احمد مصباحی[۳۸] مولانا اختر کمال مصباحی [۳۹] مولانا ارشاد احمد مصباحی علیگ [۴۰] ماسٹر قیصر جاوید۔

تدریسی خدمات: زیور علم و عمل اور فضل و شرف سے آراستہ ہو جانے کے بعد آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا، اور خالص اللہ ورسول کی رضا کے لیے درج ذیل درس گاہوں میں علم و عمل کے گوہر لٹائے:

[۱] مدرسہ عربیہ سعید العلوم، یکماڈپو، پوسٹ پچھی پور، ضلع مہراج گنج، یو۔پی۔
[از اگست ۲۰۰۴ء تا اکتوبر ۲۰۰۶ء، تقریباً ۲؍سال]

[۲] جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو۔پی۔
[از شوال ۱۴۲۷ھ / نومبر ۲۰۰۶ء تا شعبان ۱۴۲۸ھ / ستمبر ۲۰۰۷ء، ۱؍سال]

[۳] مدرسہ عربیہ سعید العلوم، یکماڈپو، پچھی پور، مہراج گنج، یو۔پی۔
[از شوال ۱۴۲۸ھ / جنوری ۲۰۰۸ء تا حال، بہ حیثیت مدرس نائب عالیہ]

تلامذہ: فراغت کے بعد ہی سے آپ نے خود کو درس و تدریس، اور تعلیم و تربیت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ آپ کے صاف و شفاف اور فیاض چشمہ شیریں سے اپنی علمی تشنگی بجھانے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ چند کے اسماے گرامی یہ ہیں:

[۱] مولانا محمد مسیح الدین مصباحی، بھوانی پور، اسکا بازار، سدھارتھ نگر۔
[۲] مولانا محمد طفیل مصباحی، ہرکھ پورا، مہراج گنج۔
[۳] مولانا اشرف رضا نورانی، مصباحی، پڑی کلاں، پوسٹ: مدن پورہ، مہراج گنج۔
[۴] مولانا مبارک علی امجدی، سوناڈیہہ، پوسٹ: بیسار، تحصیل: پھریندہ، مہراج گنج
[۵] مولانا زاہد علی سعیدی، بڑگوں، ٹولہ بھٹر کڑہا، پوسٹ: کِسولی، مہراج گنج۔
[۶] مولانا محمد شمیم امجدی، سمدار خرد، گورکھ پور۔
[۷] مولانا حامد علی تنویری، شری نگر، شیوتری بازار، تھانہ: پرسا ملک، مہراج گنج۔
[۸] مولانا شاہ عالم مصباحی، پپرا بازار، تھانہ: کولہوئی بازار، مہراج گنج۔
[۹] مولانا محمد عمران امجدی، سرج پوروا، سمرہنا، پوسٹ: اسکا بازار، سدھارتھ نگر۔
[۱۰] مولانا محمد شاہ نواز مصباحی، ازہری، ٹولی چوکی، حیدرآباد، دکن۔
[۱۱] مولانا توحید احمد ثقافی، بکیہنا، کھٹھوا، پوسٹ: پچھی پور، مہراج گنج۔
[۱۲] راقم الحروف عبد القدوس مصباحی، پوکھر بھنڈا عرف بندر ہواں، پوسٹ: پوربنہاں، مہراج گنج۔

۲۰۰۷ء میں جامعہ اشرفیہ میں جن طلبہ نے آپ سے اکتساب علم و فضل کیا، ان کی فہرست طویل ہے۔

اسناد:

جامعہ اشرفیہ مبارک پور:

[۱] عالمیت: ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء [۲] فضیلت: ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء [۳] تخصص فی الفقہ: ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء

مدرسہ تعلیمی بورڈ، اترپردیس:

[۱] مولوی: ۱۹۹۶ء [۲] عالم: ۱۹۹۸ء [۳] منشی: ۱۹۹۹ء [۴] فاضل ادب: ۲۰۰۰ء [۵] کامل فارسی: ۲۰۰۲ء [۶] فاضل دینیات: ۲۰۰۸ء

جامعہ اردو علی گڑھ:

[۱] ادیب ماہر: ۲۰۰۲ء

بیعت و ارادت:

از: خطیب البراہین، حضرت علامہ صوفی محمد نظام الدین قادری، رضوی -قدس سرہ-، جمادی الاخرہ ۱۴۲۱ھ۔

۲۰۰۱ء میں جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں، عرس عزیزی کے پر بہار موقع پر جشن دستار فضیلت کی صورت میں آپ کے سر پر "مصباحیت" کا زریں تاج رکھا گیا۔ اسی مناسبت سے آپ کے دولت کدہ پر ایک روحانی محفل سجی، جس میں خطیب البراہین، حضرت علامہ صوفی محمد نظام الدین قادری، رضوی -قدس سرہ- کی آمد ہوئی، اور آپ ہی کے دست حق پر سلسلۂ عالیہ میں آپ بیعت ہوئے۔

رشحات قلم: [ترجمہ، تصحیح، تحقیق، تالیف، مضامین]

آپ تصنیف و تالیف میں بھی دل چسپی رکھتے ہیں؛ اس لیے گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ کے نوک قلم سے جو تراجم و تصحیحات، اور مضامین و تالیفات معرض وجود میں آئیں، ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

[۱] نصرة المجتهدين وحماية المقلدين۔ [تسہیل، تحقیق، تخریج] مطبوعہ ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء، ناشر: طلبۂ جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔
[۲] انتصار الحق في اكساد اباطيل معيار الحق۔[تسہیل، تحقیق، تخریج] مطبوعہ: ۱۴۳۵ھ / ۲۰۱۵ء ناشر: طلبۂ جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔ [کچھ صفحات کی تحقیق و تخریج مولانا محمود علی مشاہدی، مصباحی نے بھی کی ہے]
[۳] فتاویٰ شارح بخاری، ج: ۶، کتاب النکاح۔[ترتیب، تحقیق، تخریج] زیر طباعت۔
[۴] فتاویٰ شارح بخاری، ج: ۷، کتاب الطلاق [ترتیب، تحقیق، تخریج] زیر طباعت
[۵] الفقه الحنفي والعمل بالحديث ۔ مکتوبہ: ۱۹۹۹ء۔
[۶] شاہ اسماعیل دہلوی اور صراط مستقیم، مطبوعہ: ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی، ۲۰۰۸ء۔
[۷] شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، معتقدات و معمولات۔ مطبوعہ: سالنامہ یادگار ایوبی، کشی نگر، یو۔پی۔ ۲۰۱۷ء۔
[۸] شاہ عبد الحق محدث دہلوی، معتقدات و معمولات۔ مطبوعہ: ۲۰۱۸ء۔
[۹] فتاویٰ رضویہ، تعارف و جائزہ۔ مکتوبہ: جنوری، ۲۰۱۹ء۔
[۱۰] بہار شریعت اور مسائل صحیحہ، رجیحہ، منقحہ۔ مکتوبہ: ۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۳ء۔ (تحقیقی مقالہ برائے تخصص فی الفقہ)
[۱۱] گم راہ کن نظریات کی تردید، دلائل کی روشنی میں۔ مکتوبہ: ۲۰۱۸ء۔ پیش نظر۔
[۱۲] حاشية المديح النبوي۔ مطبوعہ: ۱۴۳۵ھ / ۲۰۱۴ء، مجلس برکات اشرفیہ۔ [بعض شعرا کے حالات، وحل لغات، بقیہ کام مولانا ساجد علی مصباحی، استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے مکمل فرمایا]
[۱۳] تصوف: ضرورت و اہمیت۔ مکتوبہ: ۱۹/ مارچ ۲۰۱۷ء۔ ناشر: جامعہ کاملیہ، کاھوئی بازار، مہراج گنج۔ بہ موقع پیغام تصوف کانفرنس و سیمینار۔
[۱۴] زاد الأحباب في مناقب الأصحاب. مطبوعہ۔[کچھ حصے کی تصحیح و تخریج، بقیہ کام مولانا محمود علی مشاہدی، مصباحی، استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے مکمل کیا]
[۱۵] مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے فقہی سیمیناروں کے لیے، مختلف عناوین پر نصف درجن سے زائد مقالات۔

ایوارڈ:

[۱] کاملی ایوارڈ۔ از: جامعہ کاملیہ، کلھوئی بازار، مہراج گنج۔ ۱۴۳۵ھ۔

[۲] حافظ ملت ایوارڈ۔

از: خانقاہ عزیزیہ اشرفیہ، بھٹہٹ، گورکھپور۔ ۱۴۴۰ھ / ۲۰۱۸ء۔

نکاح:

پہلا نکاح شبانہ خاتون بنت صادق علی۔ مقام گیرما، پوسٹ سسوابازار، ضلع مہراج گنج کے ساتھ ۲۹ ستمبر ۲۰۰۵ء میں ہوا۔

۷ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ / ۱۷ مارچ ۲۰۰۸ء کو زچگی میں اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ ایک بچی "ثریا صادق" ان کی یادگار ہے۔

دوسرا نکاح صبر النسا بنت علی رضا۔ مقام و پوسٹ سندوریابازار، ضلع مہراج گنج کے ساتھ ۱۲ ذی القعدہ ۱۴۲۹ھ / ۱۲ نومبر ۲۰۰۸ء بروز بدھ کو ہوا۔ ان سے ۳ بچیاں ہیں۔

اولاد:

[۱] ثریا صادق [۲] عاتکہ خاتون [۳] سعدیہ خاتون [۴] احمدی بیگم۔

عبد القدوس مصباحی
دار العلوم فیض رضا، شاہین نگر، حیدرآباد، تلنگانہ۔

۵؍ صفر المظفر ۱۴۴۱ھ
۵؍ اکتوبر ۲۰۱۹ء

نیشنل اسلامک اکیڈمی، قصبہ نچلول بازار، ضلع مہراج گنج

اغراض ومقاصد

[۱] دینی، علمی، ثقافتی اور ادبی کتب کی فراہمی۔
[۲] اردو ادب کا فروغ (اردو زبان میں لٹریچر کی اشاعت، اور زبان وادب کی محفلوں کا انعقاد وغیرہ)
[۳] مسلم اسٹوڈنٹس کو اسلامی تہذیب، اردو خوانی اور اعلیٰ تعلیم کی جانب راغب کرنا۔
[۴] طلبہ ر طالبات کے درمیان تحریری، تقریری اور انعامی مقابلہ جاتی پروگراموں کا اہتمام۔
[۵] تصنیفی ٹریننگ سنٹر کا قیام۔
[۶] جدید مصنفین، مؤلفین ومرتبین کی کتابوں کی اشاعت کا اہتمام۔
[۷] نادار بچوں ر بچیوں کی تعلیم وتربیت اور شادی کے اخراجات کا انتظام۔
[۸] ذہین اور باصلاحیت ضرورت مند طلبہ ر طالبات کے لیے مناسب تعلیمی وظائف کا انتظام۔
[۹] دینی، علمی، تبلیغی اور اصلاحی کاموں کے لیے راہ ہموار کرنا۔
[۱۰] مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کے لئے کتب ورسائل، پرچوں اور ضروری مواد کی فراہمی۔
[۱۱] مراسلاتی کورسیز کے لیے مراکز کا قیام۔
[۱۲] مفلوک الحال مریضوں کے علاج میں بقدر ضرورت امداد۔
[۱۳] ناگہانی آفات وحادثات میں راحت رسانی۔
[۱۴] دیہی علاقوں میں اردو تعلیمی مراکز کا قیام۔
[۱۵] عہدیداران وارکان تنظیم کی تحریروں پر مشتمل ایک سالنامہ کا اجرا۔
[۱۶] تعلیم نسواں کے لیے کالجوں کا قیام۔
[۱۷] ابھرتے مسائل پر سیمینار اور سمپوزیم کا انعقاد۔

نوٹ: مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے اکیڈمی کا تعاون کریں، اور عنداللہ ماجور ہوں۔

اپیل کنندگان:

[۱] مفتی محمد صادق مصباحی [۲] مولانا نور اللہ قادری [۳] نور محمد مصباحی [۴] مولانا محمد قاسم مصباحی [۵] مولانا فخرالدین مصباحی [۶] مولانا محمد شمیم مصباحی [۷] مولانا تجمل حسین امجدی [۸] مولانا شبیر احمد نظامی [۹] قاری نور الہدیٰ مصباحی [۱۰] مولانا غیاث الدین عارف، مصباحی [۱۱] مولانا محمد عالم گیر نظامی [۱۲] مولانا محمد قاسم برہانی [۱۳] مولانا توحید احمد مصباحی [۱۴] مولانا ماہتاب عالم قادری [۱۵] مولانا محمد اسرافیل مصباحی [۱۶] ماسٹر غلام احمد [۱۷] جناب تبریز عالم۔

اقوالِ زریں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ

- زندگی نام ہے کام کا اور بے کاری موت ہے۔
- زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام۔
- میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب کام ہے۔
- دولت خدا کی نعمت ہے لیکن اس سے بڑی نعمت راہِ خدا میں خرچ کرنے کا جذبہ ہے۔
- عقل مند وہ ہے جو دوسروں کے تجربے سے فائدہ اٹھائے، خود تجربہ کر کے عمر ضائع کرتا ہے۔
- قابلِ قدر وہ ہے جس کا لباس خستہ اور سینہ علم سے معمور ہو۔
- تضییعِ اوقات (وقت کی بربادی) سب سے بڑی محرومی ہے۔
- جس سے کام لیا جاتا ہے، اسے ناقص نہیں کیا جاتا۔
- احساسِ ذمہ داری سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔
- نام کے لیے کام نہیں کرنا چاہیے، کام کرو گے تو نام ہو ہی جائے گا۔
- دنیا کا علم بھی عزت و وقار کا سبب ہے، چہ جائے کہ "علمِ دین"۔
- کام کے آدمی بنو، کام ہی آدمی کو معزز بناتا ہے۔
- جس کی نظر مقصد پر ہوگی کامیابی اس کے قدم چومے گی۔
- دوسروں کی خوبیاں دیکھنی چاہیے اور اپنی خامیاں۔
- ایسی جگہ نہیں بیٹھنا چاہیے جہاں سے اٹھنا پڑے۔

Publisher

AL HIJAZ FOUNDATION

Para mount colony,Tolichowki, Hyderabad, Deccan